بقیة السلف داعئ کبیر

حضرت مولانا ابراهیم دیولوی صاحب دامت برکاتهم العالیه

بیانات

حضرت مولانا ابراہیم دیولا

مقیم بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین (دہلی)

جلد اول

مرتب

عبدالودود ندوی

ناشر

دار النور

سلسلہ اشاعت (۱)

اجازتِ طباعت
بغیر ترمیم اور حذف و اضافہ

کتاب کانام : بیانات حضرت مولانا ابراہیم (دیولہ)

ناشر : دارالنور

دوسرا ایڈیشن: مئی/ ۲۰۱۶م

کسی بھی قسم کی غلطی کی اطلاع اور حضرت کے اجتماعات یا علماء کے درمیان کئے گئے دیگر بیانات درج ذیل پتہ پر ارسال کرسکتے ہیں، تاکہ نشر و اشاعت کے اس عمل کے ثواب میں آپ بھی شریک ہوسکیں.

ABWADOOD2007@GMAIL.COM

دارالنور
راجہ جی پورم، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

موجودہ وقت میں دعوت وتبلیغ کی عظیم محنت سے پوری دنیا میں جو اسلامی اخوت و بھائی چارگی کی فضا قائم ہوئی، اور نوجوانوں کے اندر جو دینی شعور بیدار ہوا اسکا انکار ایک حقیقت کا انکار ہے، ہر اسلامی ذہن رکھنے والا شخص صاف دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے، حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے نصف صدی سے زائد قبل اس کام کا آغاز ایسی سرزمین سے کیا تھا جو دنیوی ترقی اور عصری تہذیب وثقافت سے دور، اور اسلامی تعلیمات اور دینی شعائر سے ناواقف تھی، مولانا نے اس بنجر زمین میں عظیم دعوتی کام کی تخم ریزی کی جس کے ثمر آور درختوں سے ایک جہان فیضیاب ہو رہا ہے۔

اس کام کی وسعت وہمہ گیریت، جامعیت وعالمگیرت کے ساتھ ساتھ ایک بڑی خصوصیت یہ کہ دنیا کے ہر گوشہ میں-مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک-ایک ہی نہج اور ایک ہی فکر کے ساتھ جاری وساری ہے، دعوت کی اس عظیم محنت کو شروع ہی سے نامور علماء ربانین کی محنت اور رہنمائی حاصل ہوتی رہی، جنہوں نے اس کار عظیم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا، جس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، ہر قسم کی تکالیف اور پریشانیوں کو بخوشی قبول کیا، بعض نے عرب ممالک میں اس کام کی فضا ہموار کی، تو بعض نے اسپین اور یورپ وامریکہ میں کام کی بنیاد ڈالی، ان بزگان دین میں خود بانی دعوت وتبلیغ حضرت مولانا الیاس علیہ الرحمۃ، آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا یوسف علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالی نے اس کار عظیم کے وجود وترقی کا سبب بنایا، اسی طرح حضرت مولانا سید ابوالحسن علي حسني ندوی علیہ الرحمۃ، حضرت

مولانا عمر پالنپوری، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں.
انہی بزگان دین کی اہم کڑی صاحب بیانات حضرت مولانا ابراہیم دیولا (گجراتی) ہیں، جن کو اللہ تعالی نے کام کے نہج کو سمجھانے اور نئے طبقات کو مطمئن کرنے اور علماء کو دعوتی کام کی طرف رغبت دلانے کا عظیم ملکہ عطا فرمایا ہے.
آپ عرصۂ دراز سے بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی میں مقیم ہیں، اور مدرسہ کاشف العلوم میں اپنی تدریسی خدمات کے ذریعہ طلبہ علوم نبوت کو فیضیاب کررہے ہیں، آپ سادگی اور تواضع کے پیکر، کم گوئی اور ذکر وشکر کی عظیم صفات سے متصف ہیں.
آپ کے بیانات کا اسلوب سہل اور بہت ہی آسان ہوتا ہے، قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ دعوت، اور دعوت کے طریقہ کار کو عام فہم مثالوں کے پیرائے بیان کرتے ہیں، جس سے سامعین اور دعوتی احباب کے اندر کام کی فکر، اور دعوتی صفات کو زندگی میں نافذ کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے.
اللہ رب العزت کا شکر واحسان ہے جس نے راقم کو اس عظیم کام کی توفیق عطا فرمائی، راقم شکر گذار ہے جناب مولانا احمد حسین گودھرا، اور جناب زکریا صاحب گجراتی کا جنہوں نے اس جانب توجہ دلائی، اور ابتداء سے طباعت تک تمام مراحل کی ذمہ داری سنبھالی، ان بیانات کو ترتیب دینے کا کام صاحب بیانات کو اطلاع دیئے بغیر شروع کردیا گیا تھا، کیونکہ آپ کی طبیعت اخفا اور سادگی کی وجہ سے ممکن تھا کہ اجازت نہ مل پاتی، تاہم بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے بعض مخلص احباب کے مشورہ کے بعد کام شروع کیا گیا، اور اللہ تبارک وتعالی نے پائے تکمیل تک پہونچادیا۔
اللہ رب العزت مختصر سی اس محنت کو قبول فرمائے! اور اسکا نفع عام فرمائے. آمین۔

مرتب
۱۸/۰۱/۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان نمبر (۱)

اللہ تعالیٰ کی حکمت
اور
اس کی قدرت

﴿۲۰۱۳/۰۳/۲۲، رائے ونڈ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً، أما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تتنزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أنْ لَا تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الحَيوةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إِلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

اللہ کے وعدے کب پورے ہوتے ہیں؟

میرے بزرگو پیارے بھائیو!

بات دھیان سے سنیں، اللہ پاک نے ہم لوگوں کو ایک ذمہ داری دی ہے، ایک کام دیا ہے، دین کا عظیم کام...... یہاں جتنے اچھے حالات کا آدمی تصور کرتا ہے ان تمام حالات کا تعلق باہر کی چیزوں سے نہیں ہے، بلکہ اندر سے ہے، دین زندگیوں میں آجاوے، اور دین کا جو حق ہے اس حق کو پورا کرنے کی نیت ہو جاوے، تو اس پر اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پورے کریں گے۔

سب سے بڑا انعام:

سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ پاک دین کی وجہ سے اور ان کے حقوق ماننے کی وجہ سے بندہ کے ساتھ ہوجائیں گے ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورة:الأنفال،آیت: ۱۹] اللہ پاک تو ایمان والوں کیساتھ ہیں۔ ﴿إِنّ اللّٰه مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ [سورة:البقرة، آیت:۱۹۴، التوبة،آیت:۳۶، التوبة،آیت:۱۲۲] اللہ تعالیٰ تو ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنے ڈرنے والوں کی کوششوں کو قبول فرماتا ہے،ان کی عبادتیں قبول فرماتا ہے......ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے......ان کی اطاعتیں قبول فرماتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ہیں،تو گویا اللہ میرے ساتھ ہے،اور اللہ کیساتھ ہونے کی وجہ سے ہی کام چل بھی رہا ہے.

دین کا کام ظاہری اسباب سے نہیں چلتا:

یہ خاص بات ہے کہ دین کا یہ کام صرف ظاہری اسباب سے چلنے والا نہیں ہے، جس طرح دنیا کا کوئی کام ظاہری اسباب اور وسائل سے چلتا ہے، جیسے مال سے.....ملک سے.....زمینوں سے.....جائدادوں سے، مگر یہ کام ان چیزوں سے چلنے والا نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چلے گا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے چلے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی کی مدد کریں گے جو اس کے دین کا کام کرے گا، جو اللہ کیلئے کریگا وہ اللہ کی مدد پاوے گا۔

حضور ﷺ کے ساتھ تعداد اور اسباب کم تھے:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم کو یہ ملتا ہے کہ آپ کے ساتھ اسباب اور وسائل اور لوگوں کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے، تعداد بھی کم رہی اور اسباب بھی کم رہے، اور

مال تو آپ نے لیا ہی نہیں، مال کی پیشکش لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی، مکہ والوں نے کہا کہ ہم مال آپ کیلئے جمع کریں آپ ہم میں سب سے بڑا مالدار بن جاویں، یہ آپ نے منظور نہیں فرمایا، پھر کہا کہ ہم آپ کو بڑا بنادیں اور آپ کو اپنا بڑا مان لیں، تو اس کو بھی قبول نہیں فرمایا، پھر اللہ کی طرف سے بات آئی کہ ہم آپ کیلئے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادیں۔ مکہ کے پہاڑ جو باہر ہیں وہ بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ سونا ہو جائیں، اور آپ جیسا چاہیں ان کا استعمال اپنی دعوت میں کریں، اپنی تبلیغ میں کریں، اور آپ کو بادشاہ بنادیں آپ بادشاہ ہو جاویں، آپ اپنا حکم جاری کریں، تو اس کے جواب میں عرض کیا کہ میں تو اللہ کا بندہ بنکر کام کرنا چاہتا ہوں..... بڑا بن کر نہیں.... رئیس بنکر نہیں..... اگر اللہ کھلاویں تو اس کے کھلانے پر ان کا شکر ادا کروں، اور اگر کام کے دوران بھوک آجاوے تو بھوک پر صبر کروں، یہ تھا طریقۂ صحابہ، اور ان کے چلنے کا راستہ یہ سب کے لئے بڑا انعام ہے، اور سب کے لئے بڑی آسانی ہوگئی۔

اگر آپ ﷺ مال قبول کرتے تو رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں:

اگر آپ مال قبول فرماتے اور مال سے کام کرتے تو کام میں ہزاروں صعوبتیں ہو جاتیں، غریب کہتے کہ ہمارے پاس تو مال ہے نہیں ہم کام کیسے کریں! اور اگر آپ ریاست وعہدہ اور منصب قبول فرماتے ..... تو کہتے اللہ آپ کے ساتھ ہے، باقی لوگ کہتے ہمارے ساتھ تو ہے نہیں، ہمارے پاس طاقت نہیں کوئی پاور نہیں ہم کیا کریں گے؟ وہ ہاتھ اٹھا لیتے، اب کسی کے لئے ہاتھ اٹھا لینے کا بہانہ باقی نہیں رہی، اس لئے کہ اسلام کو مال پر..... ملک پر..... چیزوں پر..... قائم نہیں کیا، تو کس پر قائم کیا؟؟؟ یہ اپنے خلوص پر قائم کیا، جو اللہ کو مان کر اس کے دین کو حق مان کر اللہ کے لئے کام کریگا اللہ اس کا ساتھ دیں گے۔ بس سب کیلئے راستہ کھل گیا اور کام رحمت بن گیا۔ کہ غریب بھی کام کرسکتا ہے۔

صحابہ کرام کا دین کے لئے خرچ کرنے کا جذبہ:

ایک دفعہ آپ نے مال کی فرمائش کی کہ مال کی ضرورت ہے، تو ایک صاحب مال لائے، مالدار آدمی نے چھ سو من کھجوریں لا کے پیش کیں، یہ لیجئے، ایک آدمی ایک کلو کھجور لایا۔ عرض کیا کہ میں نے رات بھر مزدوری کر کے دو کلو کھجور کمایا بچوں کیلئے کچھ تھا نہیں آدھا ان کو دیکر آیا، اور آدھا آپ کی فرمائش...... حاضر ہے، آپ نے اسے بھی قبول فرمایا اور اس کو اس ڈھیر پر ڈلوایا۔ یہ مثال قائم ہوئی، آپ کے زمانے میں غریب بھی صدقہ کرتے تھے، دنیا میں رواج تو یہ ہے کہ غریب صدقہ لے..... مگر آپ کے زمانے میں غریب صدقہ دیتے تھے، وہ کیسے دیتے تھے! جو کماتے تھے اسی میں سے ادا کرتے، جس کی مثال ابھی گذری، کہ کمایا اپنے لئے اس میں سے کچھ صدقہ دے دیا...... منافق صدقہ کی اہمیت جتاتے تھے...... یہ بھی انگلی کٹا کے شہیدوں میں نام لکھوا رہا ہے..... لیکن اللہ کے یہاں ..... رسول اللہ کے یہاں ..... صحابہ کی بڑی قدر تھی...... کہ تھوڑے میں سے تھوڑا دے۔

سب سے افضل صدقہ:

آپ ﷺ سے پوچھا گیا ''یَارَسُوْلَ اللهِ ! أيُّ الصَّدَقَةِ أفْضَلُ؟ قَالَ: جُهْدُ المُقِلّ، وابْدَأ بِمَنْ تَعُوْل'' [رواه أبوداؤد، باب في الرخصة في ذلك، حديث نمبر: ۱۶۷۹] کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا تنگی والے کا صدقہ؟ کہ وہ مشقت سے لاتا ہے..... اور اس میں سے تھوڑا دیتا ہے، وہ تھوڑا سا اللہ کے یہاں صدقہ افضل ہے۔

ہمارے یہاں بیان کے بعد لوگوں کو جوڑ جوڑ کر بات کرتے ہیں، ایک ساتھی سے بات ہوئی آپ کب سے آئیں ہیں کتنے وقت کیلئے آئیں ہیں؟ تو وقت بتایا، کتنا خرچہ ہے؟ کہا میرے پاس ۵۰ روپئے ہیں اور کہا میرے گھر میں پچاس ہی روپئے تھے، اور سب لے کر آ گیا، ایک آدمی پچاس ہزار کی جماعت میں جاتا ہے، اور ان کے گھر میں

پچاس ہزار اور بھی ہیں، یہ شخص پچاس روپیہ لیکر آتا ہے اور اس کے گھر میں اس کے علاوہ نہیں ہے۔اسلئے فرمایا جهد المقل، کمی والے کا صدقہ افضل ہے۔

اللہ نے کام کو آسان بنایا:

پھر ہر ایک کو ہمت دلائی ہر ایک کو امید دلائی، ہر ایک کا حوصلہ بڑھایا کہ یہاں معاملہ تمہارے خلوص پر ہے، کہ پچاس روپئے دینے والا مخلص ہے، لوگ اس کی تعریف کر دیں گے، اور اس کا بھی نام آویگا یہ تو اپنی جان مال لگا کر اللہ کو خوش کر لیگا...... ایسے میں ہی عرض کیا کہ اس کام کو مال ومتاع کی زیادتی پر نہیں رکھا...... جیسا کہ دنیا میں رواج ہے، اسلئے یہ کام بھوک کیساتھ بھی ہو جاتا ہے، کھانا نہیں ہے..... بھوک کے ساتھ کام کیا، اور بھوک بھی اتنی کہ برداشت کے قابل نہیں...... پتھر باندھے ہوئے ہیں...... تاکہ پیٹ کو کام کیلئے تقویت ملے...... تو پیٹ پر پتھر باندھ کر کے کام کیا...... پیدل چل کر کام کیا...... اور پیدل چلنے والوں کیلئے راستہ کھل گیا، جن کے پاس کھانا نہیں ہے، ان کے لئے بھی راستہ کھولدیا...... اور جن کے پاس مال ہے ان کے لئے بھی کھولدیا، یہ رحمت کہلاتی ہے...... یہ نعمت ہوگئی۔

حضرت عثمان کا جذبہ:

تبوک کے موقع پر مال کی فرمائش کی...... تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پیشکش کی کہ جو مجمع آپ کے ساتھ جائے گا اس کے ایک تہائی کا خرچہ میرے ذمہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں کی کم سے کم مقدار جوڑی گئی ہے وہ تیس ہزار ہے، اور بھی روایت ہے، تیس ہزار کا ایک تہائی کتنا ہوا؟ دس ہزار..... تو دس ہزار کا خرچہ اپنے ذمہ لیا، چونکہ تنگی کا سال تھا..... قحط سالی تھی...... گرمی کے دن تھے، مسافت بھی دور

تھی، دس ہزار آدمی کا خرچہ اپنے ذمہ لیا، اور خرچ کا مسئلہ یہ ہے کہ تمام ضروریات کا انتظام کیا جائے، روایتوں میں ہے کہ اونٹوں پر لادنے کیلئے بوری میں سامان بھرا جاتا تھا، کبھی بوری پھٹ جاوے تو اس کے سلنے کے لئے سُتلی اور سووا- اس زمانے میں سلنے کیلئے ہوتا تھا- تو سُتلی اور سووا کا بھی انتظام کیا تھا، کہ کسی ساتھی کا سامان بورا پھٹ جاوے...... سفر میں پریشانی ہوتی ہے، چنانچہ ان سب چیزوں کا انتظام کیا...... تو انتظام کا یہ مطلب ہے، دس ہزار آدمیوں کا خرچہ آنا جانا کھانا، اور اس کے علاوہ ایک ہزار نقد سونے کے سکے جو اس زمانے میں چلتے تھے، وہ بھی لے آئے، یا رسول اللہ یہ بھی رکھیئے، تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ مارے خوشی کے اس ہزار والی رقم کو اپنے ہاتھوں میں گود میں الٹاتے تھے، اور فرمایا آج کے بعد عثمان کوئی بھی عمل نہ کرے پھر بھی اس کی کامیابی کیلئے کافی ہے، اس طرح دینے والے بھی تھے، اور ان کو بھی بشارت سنائی۔

دین، رحمت ہے:

یہ طریقہ رحمت کہلاتا ہے، کہ اپنے اپنے بساط اپنی اپنی طاقت کے مطابق آدمی اللہ کے کام میں اپنے آپ کو لگاوے، اپنی ذات بھی..... اپنا مال بھی...... اپنے اسباب بھی ......اور نیت کو خالص بناوے، کہ اس کا اللہ کے یہاں درجہ ہے ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ﴾ [سورۃ: فُصِّلَتْ، آیت: ۴۶] ہر ایک کے لئے ان کے عمل کے حساب سے درجہ ہے۔

تو یہ آسانی بتائی اور یہ ذہن بنایا کہ اصل تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوگا ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ [سورۃ: آل عمران، آیت: ۱۲۶] کہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کا طریقہ الگ ہے:

جب مدد کے اسباب اختیار کیئے جائیں گے حق تعالیٰ شانہ اپنی مدد دیں گے، اور اس کی کوئی شکل مقرر نہیں ہے، پتہ نہیں کن کن شکلوں میں اللہ تعالیٰ مدد کرے، عام طور پر دنیا میں مدد کی ایک شکل مقرر ہے، وہ ہے مال...... کہ مدد کی! یعنی: مال دیا، حکومتوں میں بھی یہ رواج ہے کہ مال سے مدد کرنا، اللہ تعالیٰ کی مدد کوئی مخصوص شکل پر نہیں ہے، ہر نبی کی الگ الگ طریقے سے مدد ہوتی ہے، تا کہ پتہ چلے کہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اصل مدد اللہ اپنی قدرت سے کریں گے، کوئی شکل مقرر نہیں، کہ مدد اسی طریقے سے آئے گی، دنیا میں مدد کے لئے مال بھی آجاتا ہے، اللہ کے پاس مدد کی بہت سی شکلیں ہیں، کسی نبی کی مدد اللہ تعالیٰ نے ہوا سے کی ہے، کسی کی آگ سے مدد کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سب سے زیادہ ہوتی ہے، اسباب کم اور مدد سب سے زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ سب سے زیادہ بڑی ذمہ داری آپ کی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سب سے زیادہ ہوئی:

آپ کا کام تمام انسانوں اور تمام جناتوں کیلیئے ہے۔ اس لئے آپ کی مدد سب سے زیادہ ہوتی ہیں، اور یہ ہی بات رہے گی آخیر تک، کہ اللہ تعالیٰ اپنے کام کرنے والوں کی مدد کریگا، اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے...... کہ جو کام پورا کرے گا ......اس کے لئے اللہ کی مدد آئے گی.

اللہ کی غیبی مدد:

حق ہمیشہ اسباب کی کمی کیساتھ پھیلا ہے، اسباب کی زیادتی کیساتھ نہیں پھیلا، باطل تو اسباب کی زیادتی سے پھیلتا ہے، لیکن حق ہمیشہ اسباب کی کمی میں پھیلا ہے، اسباب کم ہیں اور کام کرنے والوں میں خلوص ہے...... اللہ سے ان کا تعلق ہے...... تو اسباب کی کمی میں اللہ تعالیٰ نے کام بنا دیئے، جو جو حاجتیں اٹکی ہوئی تھیں وہ پوری ہوگئیں، جنگل میں

پانی نہیں تھا.....تو راتوں رات پانی برس گیا، مجمع کیلئے پانی نہیں ہے، مجمع ایسی جگہ پہنچ گیا ہے......کہ وہاں پانی نہیں ہے تو راتوں رات برس گیا، دشمنوں نے اپنی بڑی طاقت جمع کی تھی اِن کے پاس طاقت نہیں ہے تو اللہ نے مدد کے لئے فرشتے نازل کئے......اور کامیابی ملی، اور ان کی تعداد تھوڑی.....ان کے اسباب تھوڑے......ان کے لئے پاؤں میں جوتے بھی نہیں......ان کے لئے سواری بھی نہیں ان کے لئے کھانا بھی نہیں ہے..... اور مدد زبردست آ گئی......ایسی مدد آ گئی، لوگوں کے سامنے حق روشن ہو گیا، اور لوگوں کو سمجھ میں آ گیا کہ مدد تو انہیں کی ہوتی ہے۔

خالد بن ولید بہت مخالف تھے مگر احساس اندر سے یہی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں: یہ آدمی تو ایسا ہے......کہ ان کی تو اوپر سے حفاظت ہوتی ہے...... ابھی وہ اسلام نہیں لائے.....مگر ان پر یہ بات کھل گئی......کیوں کہ مدد ہو رہی تھی......ہمیشہ مدد اللہ تعالیٰ ہی نے کی ہے۔

ہمیں اپنے کام میں اللہ تعالیٰ سے پر امید رہنا چاہئے:

حدیثوں میں ہے کہ "أَبْشِرُوْا وَأَمِّلُوْا خیراً" [مسند أحمد: حدیث نمبر:۱۹۴۲۹] بشارتیں سنو! اور امیدوار رہو! اللہ تعالیٰ سے، اور ایسے حالات سے جو تمہیں خوش کریں گے، ایسے حالات آنے والے ہیں، کبھی جلدی آتے ہیں اور کبھی کچھ تاخیر بھی ہوتی ہے۔ یہ حکمت کا تقاضا ہے، کبھی حکمت کا تقاضا ہوا تو حالات جلدی سے اچھے بنا دیئے، فوراً مدد آ گئی، فوراً بات قبول ہو گئی......لوگوں نے بات آناً فاناً قبول کر لی.....اور کبھی ایسا ہوا کہ کافی محنت ہوئی اور کوئی نتیجہ نہیں آیا، کیا بات ہے؟ کہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو حکمت سے جاری کرتے ہیں:

قدرت بھی ظاہر ہوتی ہے اور حکمت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ خالی قدرت نہیں ہے کہ اللہ کی

قدرت تو ہر چیز پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو حکمت کیساتھ جاری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حکیم ہے، خوبیوں والے ہیں، اپنے کاموں کی خوبیوں کو وہی جانتے ہیں، اس کے نتیجے کو وہی جانتے ہیں۔ اس لئے مسلمان کو اس کا یقین کرنا ہے..... کہ کریگا اللہ اپنی قدرت سے..... لیکن اس طرح نہیں ہوگا جس طرح ہم چاہیں گے...... بلکہ حکمت سے کریں گے۔

اللہ اپنی حکمت سے کام کرتا ہے:

کبھی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی کی جو مراد ہے وہ اللہ روک لیتے ہیں..... دیتے نہیں ہیں، اور وہ مانگ رہا ہے...... دیر ہو رہی ہے، وہ سوچتا ہے کہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہو رہا ہے؟ کہ..... اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے..... اس کو روکا جاوے، جب حکمت کا تقاضا پورا ہو جاوے گا..... تب کھول دیں گے، یہ اس لئے سمجھایا گیا تاکہ کوئی بھی اللہ کا کام کرکے ناامید نہ ہو۔

شیطان کی چالیں:

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ شیطان غلط خواہشوں میں لوگوں کو پھنساتا ہے، اللہ سے دور کرتا ہے..... اللہ سے ناامید بنا دیتا ہے، دیکھو تم اتنے دنوں سے کام کر رہے ہو اور خوب کر رہے ہو..... اور تقاضے پورے کر رہے ہو...... ہر جگہ پیش پیش رہتے ہو...... اور تمہارے حالات اب تک بنے ہی نہیں، تمہارے دل سے یا جسم سے بیماری گئی ہی نہیں، وغیرہ وغیرہ..... تمہارے ساتھ حالات ہیں، اور تمہارا تعلق اس کام سے ہے، جاہل لوگ بھی کہتے ہیں کہ تو اللہ کا کام کرتا ہے اور اللہ تیرا کام نہیں کرتا ہے، ہمارے سامنے بھی لوگ ایسے ہی بات کرتے ہیں، تو وہ اگر اللہ تعالیٰ کی شان سے جاہل نہ ہوا، اور جان گیا کہ اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہے، تو وہ ناامید نہیں ہوگا۔

اللہ بندہ کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں:

ورنہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنا گمان بگاڑ دیگا، میں سب کام کرتا ہوں اور اللہ میرا کام نہیں کرتا ہے۔ جی ہاں...... جب اللہ سے گمان بگڑا تو بات بگڑ گئی، کہ اللہ تعالیٰ گمان کے مطابق کام کرتا ہے، شیطان خود اللہ سے ناامید ہے، ابلیس کا معنی ہیں ناامیدی....اللہ کی طرف سے اس پر لعنت کر دی قیامت تک......اس لئے وہ ناامید ہے، تو وہ لوگوں کو بھی ناامیدی کے راستے پر لے جاتا ہے، اور کاٹ دیتا ہے۔

لوگ ناامید ہو کر کام چھوڑ دیتے ہیں:

لوگ کام کرتے کرتے ناامید ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، کام چھوڑ دیتے ہیں، ایسے وقت میں ان کو سنبھالنے والے چاہئے، کیا کرنا چاہئے؟ کہ انہیں سنبھالو، اگر اس میں ناامیدی ہے، اور یہ کام کا آدمی ہے تو اسے سنبھالو، اس کا حوصلہ بڑھاؤ کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا وقت مقرر ہے، پیدا ہونے کا ایک وقت ہے......مرنے کا ایک وقت ہے......ایسے ہی کاموں کے نتائج ظاہر ہونے کا ایک وقت اللہ کی طرف سے مقرر ہے......ناامید نہ بنو! اللہ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

پھر بھی جو کام روکا گیا ہے تو وہ حکمت سے روکا گیا ہے، اللہ اپنی حکمت دکھانا چاہتے ہیں، اگر یہ حکمت نہ ہو تو مسئلہ دوسرا ہو جائے گا۔ اس لئے جو اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ناامید نہیں ہوتے۔ کبھی ان کا گمان بگڑتا نہیں ہے۔ یہ چیز جو اللہ نے بند کر دی ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اس کے بدلے میں مجھے کوئی بڑی چیز دیں گے۔

صحابہ کرام بھی حالات میں گھرے رہے:

ہم صحابہ کرام کی سیرت میں پڑھتے ہیں کہ مصعب بن عمیر جنہوں نے بہت کام کیا......گھر کا آدمی ہے......خاندان کا آدمی ہے بہت کام کیا......لیکن جب سے اسلام قبول کیا تھا وہاں سے لیکر کے موت تک ان کے حالات بنے ہی نہیں...... آپ حضرات

پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ حالات کیا بنتے..... کفن ہی نہیں ملا، اب ان کے پاس کیا مال ہوگا؟ اور کیا چھوڑا ہوگا؟۔

حضرت حمزہ ابن عبد المطلب کو کفن ہی نہیں ملا...... بڑے خاندان کا آدمی ہے، اس سے زیادہ اللہ کی کمزوری کیا ہوسکتی ہے نعوذ باللہ اور کام پورا کیا، تو ایسا کیوں ہوا؟ اللہ کی قدرت اور حکمت کا تقاضا ہے۔ اس کی کوئی حکمت ہے، اللہ اس کے بدلے میں کچھ اور دینے والے ہیں، یا اس کے بدلے میں کوئی اور حفاظت اور ترقی مقصود ہے، وہ اللہ ہی جانتے ہیں۔

حکمت پر بھی نظر رکھو قدرت پر بھی نظر رکھو!

اگر حکمت پر نظر نہیں ہوگی صرف قدرت پر نظر ہوگی تو یہ شخص سوچے گا کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے میرا ساتھ نہیں دیتا، میری دعا نہیں سنتا، حالانکہ دعا کسی کی رد نہیں ہوتی...... دعا جو مانگی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی...... وہ تو اوپر اٹھالی جاتی ہے، حدیثوں میں ہے کہ سب سے زیادہ اکرام اللہ کے دربار میں بندوں کی دعاؤں کا ہوتا ہے...... جو اوپر اٹھائی جاتی ہیں، دعاؤں کا بڑا اکرام ہوتا ہے، بندوں کی دعائیں آتی ہیں انہیں رکھ لیتے ہیں، حکمت ہوتی ہے تو بندہ نے جو مانگا ہے اس کے مطابق دے دیتے ہیں، یا حکمت کا تقاضا ہوتا ہے تو وہ نہیں دیتے، بلکہ اس کے بدلے میں کچھ اور دیتے ہیں، یا دنیا میں دیتے ہی نہیں بلکہ اس کا ذخیرہ بنا کر آخرت میں رکھ لیتے ہیں، جب آخرت میں جائے گا تب اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم نے یہ دعا مانگی تھی ہم نے یہ دیا تھا فلاں دعا مانگی تھی ہم نے کچھ نہیں دیا...... یہ لو اس کے بدلے میں یہ لو۔

بیان نمبر (۲)

﴿۲۰۱۴/۰۲/۱۵، مغرب بعد، نلور اجتماع﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً،أما بعد !

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أنْ لَا تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِى الحَيوةِ الدُّنْيَا وَفِى الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إِلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾ [سورۃ: فصلت،آیت:۳۳]. صدق الله العظيم.

میرے بزرگو!اور پیارے بھائیو!

اس محنت کے ذریعہ ہمارے ہر بھائی کی زندگی اللہ کے حکموں والی بن جائے،ایک ایک ہمارا بھائی اللہ کے حکموں والی زندگی گزارے،اپنی آخرت بناوے،مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر کرے،اسکے لئے ہے یہ محنت ہے......اسلئے اپنے سننے کو بھی دین بنانا ہے،مسلمان کا ہر کام دین ہے،اللہ تعالی یہ فرماتا ہے کہ .﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِىَ الذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ القَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه اولَئِکَ الذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّهُ وَ اوْلئِکَ هُمْ اوْلُوْ الألْبَابِ﴾ [سوره: الزمر، آية:١٨] میرے ان بندوں کو بشارت دو،خوشخبری بتاؤ جو اپنے ارادے اور دھیان کے ساتھ بات سنتے ہیں!تو ارادے کے ساتھ سنیں دھیان سے سنیں۔

دین کی بات غور سے سنیں!

کوئی کورٹ کچہری کا معاملہ آجاوے اور وکیل سے بات کرنی پڑے تو وکیل سے بات کیسے سنیں گے؟ وہ کیا بات بتلاتا ہے؟ کیا کیا سمجھاتا ہے؟ کیا کیا کاغذات لانے ہیں؟ کیا کیا ضرورت ہے؟ وہ سب دھیان سے سنے گا، کیوں کہ بھائی! کورٹ کچہری کا معاملہ ہے، بیماری آگئی ڈاکٹر سے ملے گا. ڈاکٹر کی سنے گا، تو کیسے سنے گا؟ پورے دھیان سے، کہ میری ضرورت کی بات ہے..... میری تندرستی کی بات ہے...... میرے علاج کی بات ہے..... اسی طرح دین کی بات کو ایسا سنو کہ یہ میرے دین کی بات ہے...... یہ میرے قبر قیامت کی بات ہے...... یہ میرے آخرت کی بات ہے...... یہ میری زندگی سدھارنے کی بات ہے....... یہ عذاب و ثواب کا مسئلہ ہے، اسلئے کہا ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه﴾ کہ میرے ان بندوں کو بشارت دو جو بات سنتے ہیں ارادے کے ساتھ، یہ نہیں کہ کان پر آواز آرہی ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں، آج تو آواز کی دنیا ہوگئی ہے، آوازیں آتی ہیں کانوں پر چاہو نہ چاہو، ایسا نہیں ہے، بلکہ دل کے کان سے بات سنی جاوے دھیان سے اسی کو یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ کہا.

بات عمل کے لئے سنیں!

اور سن کر کیا کرتے ہیں فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه پھر دوسرا کام بتایا دھیان سے سنتے ہیں، اور سننے کے بعد اتباع احسن کرتے ہیں..... اتباع احسن کا مطلب یہ ہے کہ عمل کی جو جو باتیں اس میں آئی ہیں..... اس عمل کو اچھی سے اچھی شکل میں تیار کریں گے، اس عمل کو اچھی سے اچھی طرح بنا کر اللہ کے سامنے پیش کریں گے، آدمی اپنے کپڑے اچھے بناتا ہے...... مکان اچھے بناتا ہے..... کھانے اچھے بناتا ہے، جوتے بھی اچھے بناتا ہے، کیوں کہ

میری ضرورت کی چیز ہے، بعض لوگ شوق میں بناتے ہیں، بعض لوگ ضرورت میں بناتے ہیں، لیکن ہر چیز اچھی بناتے ہیں، کھانا ہو..... کپڑا ہو...... مکان ہو......اسی طرح اللہ کی دعوت ہے......اس کو بھی اچھے سے اچھا بناؤ! اور اونچے سے اونچا بناؤ، اس طرح بناؤ جس طرح اپنی ضرورت کی چیزیں بناتے ہو، یہ نہیں کہ جھوپڑا بنایا ہے رات گزارنی ہے اب کوٹھی اور بنگلہ بناویں گے، پتہ نہیں کل کو اس میں زندہ رہتے ہیں کہ نہیں رہتے، لیکن اچھا بناتے ہیں۔

اس لئے سنو بھی اچھی طرح سے، اور سننے کے بعد جو بات سمجھ میں آجائے اسکا عمل اونچے سے اونچا اچھے سے اچھا بناؤ، سر سے اتر تا مت کرو!۔

بات سننے اور عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے:

اگر یہ باتیں پیدا ہو گئیں تو ﴿اولٰئِکَ الذِیْنَ ھَدَاھُمُ اللّٰہُ وَ اولٰئِکَ ھُمْ اولُوْ الأَلْبَابِ﴾ یہ فرمایا: یہ وہ قسم ہے جو اچھی طرح سنتی ہے اور یہ لوگ اپنے عمل کو اچھے سے اچھا بناتے ہیں، مثلاً نماز پڑھی تو اچھی شکل سے پڑھی، ہر عمل........ یہ وہ قسم ہے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہ وہ قسم ہے جو سمجھدار ہے، تو یہ بات کہی ہے صرف آج کے لئے نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے، زندگی بھر سننا ایسا ہی سننا......جیسا اللہ تعالی کہہ رہا ہے کہ دل کے کان سے سنیں.....دماغ کے کان سے نہ سنیں......کہ دل اسکے ساتھ ہے، اور سننے کے بعد ماننے کا مسئلہ ہے، اللہ کی بات ماننی ہے اللہ کی بات کو اپنی زندگی میں لانا ہے.

اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے:

دو چیزیں سب سے بڑی ہیں ایک اللہ کا راضی ہو جانا سب سے بڑی بات ہے، ﴿وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰہِ أَکْبَر﴾ [سورۃ: التوبۃ، آیت:۷۲] اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی چیز ہے، کیونکہ اللہ سے بڑا.....اسکا ہمسر کوئی نہیں ہے......اسکا خوش ہو

جانا اسکا راضی ہونا سب سے بڑی بات ہے.

عیسیٰ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ خطرناک اور بھیانک چیز کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کا غضب، اللہ کا ناراض ہونا، یہ سب سے بھیانک چیز ہے ﴿وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى﴾ [سورہ: طٰہٰ، آیت: ۱۸۱] اللہ کا غصہ جس پر اترا وہ تو کام سے گیا.....اور جس سے اللہ راضی ہو گیا، اس کا بیڑا پار ہو گیا، یہ زندگی کی صفتیں ہیں، اللہ کو راضی کرنے والی صفت......اللہ کو ناراض کرنے والی صفت...... یہ اندر کی صفتیں ہیں، حالات جو اللہ کی طرف سے اتریں گے وہ اندر کی صفات پر اتریں گے، اگر اندر ناشکری پیدا ہوئی ہے تو جو نعمتیں اللہ نے دی ہیں وہ چھین لیں گے، کیوں کہ اندر ناشکری پیدا ہوئی ہے......ناقدری پیدا ہوئی ہے......گناہ پیدا ہوئے ہیں......اندر کی صفات پر حالات آتے ہیں......لوگ حالات سے پریشان ہیں، اگر اندر کی حالت بگڑی ہوئی ہے ناشکری ہوئی ہے، ناقدری ہوئی ہے، تو جو نعمتیں ملی ہیں اسکے چھن جانے کا خطرہ ہے، اور اگر اندر شکر آیا ہے......کہ یہ نعمت میرے اللہ نے مجھے دی ہے، دین کی.....دنیا کی.....اولاد کی.....تندرستی کی نعمتیں ہیں ہم گن نہیں سکتے، انکی شکر گزاری کی صفت اندر پیدا ہوتی ہے، تو دوسرے حال آویں گے، اللہ تعالی راضی ہو جائیگا نعمتیں بڑھا دے گا، اور نعمتیں دیتے ہی رہیں گے، دیتے ہی رہیں گے، ﴿وَإِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُم [سورہ: الزمر، آیت: ۷] شکر کرو گے تو اللہ تم سے راضی ہوتا ہی رہے گا اور شکر کرو گے نعمتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔

حالات انسان کے اندرون سے بنتے اور بگڑتے ہیں:

تو حالات جو اچھے برے آتے ہیں وہ اندرون کے حالات پر آتے ہیں، باہر کی چیزوں سے نہیں آتے، مال سے حالات اچھے ہوئے یہ کبھی نہیں ہوتا.....مال میں حالات

بنانے کی کوئی طاقت نہیں ہے، حالات بگڑ بھی سکتے ہیں......کام بن بھی سکتے ہیں، نہیں بھی بن سکتے......میرے ایک دوست ڈاکٹر ہیں..... چائنیز طریقہ سے علاج کرتے ہیں، لوگوں کے گھروں پر جاتے ہیں، تو وہ ایک دن مجھے کہنے لگے کہ میں ایک جگہ گیا اور میں وہاں علاج کے لئے جاتا رہتا تھا، جن کے پاس جاتا تھا وہ کوئی غیر مسلم تھے، اور بہت مالدار تھے، ایک دفعہ میں گیا تو دیکھا کہ وہ ہیں ہی نہیں، اتنا بڑا آدمی کہاں ہے؟ معلوم ہوا انکو تو ڈاکو لے گئے....... پہلے زمانے میں مال پر ڈاکہ پڑتا تھا.....اب انسانوں پر ڈاکہ پڑتا ہے، لوگ انسانوں کو لے جاتے ہیں......مال کو چھوڑ دیتے ہیں، مصیبت کی نئی نئی شکلیں.......مال چوری نہیں کیا بلکہ مال چھوڑ دیا اور مال والے کو لے گئے..... چودہ دن انکو بند رکھا، انہیں کچھ پتہ نہیں کہاں بند رکھا؟ جب واپس آئے تو کہا کہ مجھے لے گئے تھے چودہ دن تک بند رکھا، پاس میں ایک مسجد تھی تو روزانہ میں اذان سنتا تھا، چودہ دن میں ستر مرتبہ آذان سنی تو اذان مجھے یاد ہوگئی، پھر اسکا انتقال ہوگیا، تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ مال سے زندگی بنے .جی نہیں !!! کوئی ضروری نہیں !اللہ چاہیں گے تو مال سے زندگی بنے گی.....نہیں تو نہیں بنے گی...... اللہ چاہیں گے تو اسباب سے..... چیزوں سے..... سامان سے.....ہتھیار سے زندگی بنے گی، اور نہیں چاہیں گے تو نہیں بنے گی۔

حالات اللہ پیدا کرتا ہے:

اللہ ایک ہے، اسی کا فیصلہ چلتا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، اسی کی قدرت چلتی ہے، آسمانوں سے لے کر زمین تک اللہ تعالیٰ کے فیصلے آتے ہیں، اور موت کے ....حیات کے.....عزت کے.....ذلت کے..... بیماری کے.....تندرستی کے چین کے.....بے چینی کے.....دشمنی کے.....محبت کے..... یہ سب حالات اللہ پیدا کرتے ہیں، اور کوئی پیدا کرنے والا نہیں، ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ [سورۃ: طٰہٰ، آیت:

۱۴] اللہ کا اعلان ہے ''میں'' ہوں اللہ، میرے سوا کوئی نہیں ہے، میری عبادت کرنا، میرا بندہ بن کر کے رہنا، اس بات کی دعوت ہے، اللہ کو ''میں'' کہنے کا حق ہے، کسی دوسرے کو ''میں'' کہنے کا حق نہیں ہے میں ہوں اللہ إنّني انا الله میں ہوں اللہ، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسلئے میری عبادت کرنا، زمین آسمان اور ہر چیز کی چابیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، فرمایا: ﴿لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [سورۃ: الزمر، آیت ۶۳، سورۃ: الشورہ: آیت: ۱۲] ہر چیز کی چابی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسکے پاس چابی ہو اسکے پاس جانا ہے، جسکے پاس چابی نہیں اسکے پاس جائیں گے، کیا کریں گے؟۔

اللہ سے تعلق پیدا کریں!

تو حالات کے بننے کا، بگڑنے کا.... حالات کے نیچے ہونے کا..... یہ سارا مسئلہ ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہی ہماری دعوت ہے، یہی نبیوں کی دعوت ہے، ایک اللہ سے اپنا تعلق پیدا کرو، اندر اللہ تعالیٰ کا خوف آوے، دلوں میں اللہ کا خوف آوے، ایسا خوف آوے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے، ایسا خوف پیدا کرنا ضروری ہے، زہریلی دوائی ہے تو بچوں سے بھی دور رکھے گا، کہ کوئی بچہ ہاتھ نہ لگاوے۔

کیوں کہ اللہ کا خوف ایمان ہے، جب ایمان اندر بنے گا تو اللہ تعالیٰ کا ڈر اندر پیدا ہوگا، اور وہ ڈر ہوگا جو ڈر آدمی کو اللہ کی نافرمانی سے بچاوے گا اور یہی اصل ہے، ایمان بنانے کی محنت میں اللہ کا ایسا خوف جو گناہ کی طرف جائے گا ہی نہیں کیونکہ اللہ کا خوف اسے روک دے گا، اور جب ایمان کی محنت نہیں ہوگی تو یہ خوف کم ہو جائے گا پھر اس کا پاؤں پھسل جائے گا، اور گناہوں میں پڑے گا پھر حالات بگڑ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف اور اسکی امید:

ایمان کی محنت سے اللہ کا خوف پیدا کرو، ایمان کی محنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے

امیدوار رہو، کیوں کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اسی محبت کا تقاضا ہوا کہ ساری نعمتیں ہمارے لئے بنادی ہیں، ماں باپ کے دلوں میں محبت ڈال دی، اور دنیا کی چیزوں کو ہمارے کام میں لگادیا ہے، آسمان کو.....زمین کو.....چاندکو.....سورج، ہوا، پانی، آگ، سمندر یہ سب کام میں لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَخَّرَ لکمْ مَا فی السَّمَاوَاتِ وَما فِی الأَرْضِ جَمِیْعاً﴾ [سورۃ: الجاثیۃ، آیت:۱۳] زمین کی تمام چیزوں کو ہم نے تمہاری خدمت میں لگادیا ہے، اتنا بڑا ہاتھی ہے مگر وہ آدمی کی خدمت کرتا ہے، اتنا بڑا اونٹ ہے، آدمی اس پر سواری کرلیتا ہے۔

اللہ بہت رحم کرنے والا ہے، اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو، اور اس کی رحمت کی امید میں اس کی اطاعت کرو! ﴿وَأَطِیْعُوْا اللّٰہَ و الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [سورہ: آل عمران، آیت ۱۳۲] اللہ کی اطاعت کرو! اور اسکے رسول ﷺ کی! تاکہ تم پر رحم ہوجاوے، یہ رحم کا راستہ ہے، حالات میں جو رحمت آوے گی، وہ اطاعت سے آوے گی، اس کا قاعدہ بتایا: **واطیعوا اللہ و الرسول لعلکم ترحمون** اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تمہارے اوپر رحم ہوجاوے، رحمت کے حالات لانے کے لئے اطاعت ہے، رحمت کی امید کے ساتھ۔

گناہ: زہر کی طرح ہے:

قرآن اور حدیث ہم کو یہ سمجھائے گا ایمان بننے کا مطلب ہے کہ خوف اندر پیدا ہوجاوے، اندر رحمت کی امید پیدا ہوجاوے، اتنا خوف پیدا ہو کہ کسی گناہ کے قریب نہ جاوے، اور جاوے تو فوراً توبہ کرے.....فوراً معافی مانگے.......جیسے زہر کھالیا تو فوراً اس کا علاج کرائے گا، کہ نکلواؤ! نہیں تو یہ مرجاوے گا، ایسے ہی گناہ ہے، کہ جیسے زہر اندر داخل ہوگیا ہے، کہ فوراً توبہ کرو، توبہ سے اللہ گناہ معاف کردیگا.....اور اللہ خوش بھی

ہو جائے گا، اور حکم آیا ہے اللہ کے ماننے کا اور اطاعت کرنے کا، تو فوراً اس کی طرف جلدی کرو.......اس کے حکم کو بجالاؤ........تو رحمت کا امیدوار ہونا اللہ کے عذاب سے ڈرنا....اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ سے محبت ہو جاوے، اور اللہ سے محبت نہیں ہے، کیوں کہ دنیا کی چیزوں کی محبت دل میں گھسی ہوئی ہے، اپنی من چاہی کی محبت گھسی ہوئی ہے، اس لئے اللہ سے محبت نہیں ہے، جب اللہ سے محبت نہیں ہوگی تو اللہ کی بات بھی نہیں مانے گا، بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے.....تو بیوی کی بات مانی جاتی ہے، ان کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں، ان کو راحت پہونچائی جاتی ہے، ان کو خوش کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان سے محبت ہے، ان سے تعلق ہے۔

ہمیشہ باقی رہنے والے سے محبت کرو!!!

ایمان میں یہ بات شامل ہے کہ اللہ کا خوف آوے۔ رحمت کی امید آوے، اور محبت اللہ تعالیٰ سے ہو، ﴿والذين أمنوا أشد حبا لله﴾ [سورہ: البقرہ، آیت ۵۶] کہ جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت میں بہت تیز ہیں، ان کو سب سے زیادہ اپنے اللہ سے محبت ہے، محبت اللہ سے ہوگی وہ ٹوٹے گی نہیں، کیوں کہ اللہ باقی رہنے والا ہے، اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں ٹوٹ جائیں گی، یا تو جس سے محبت کی ہے وہ ختم ہو جائے گا، یا محبت کرنے والا ختم ہو جائے گا، کیوں کہ دونوں مرنے والے ہیں......تو محبت مرنے والوں کے ساتھ قائم نہیں رہتی ''عشق با مردہ نہ باشد پائیدار'' عشق اور محبت مردوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا ''یا حی یا قیوم'' کہ محبت کرو اس اللہ سے جو زندہ رہنے والا ہے......جو قائم ہے، اس کے ساتھ محبت کرو، وہ باقی رہے گی۔

ایمان کی محنت سے اللہ کے حکموں کی محبت پیدا ہوگی:

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ لوگ جب اللہ کے حکموں سے محبت.....اور اللہ

کے حکموں والی محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اپنے حکموں کی محبت ڈالیں گے، ایمان کی محبت ..... نماز کی محبت ..... صدقہ کی محبت ..... مسلمان کی محبت ..... آخرت کی محبت ...... جب لوگ اللہ کے دین کی محنت کریں گے تو اللہ ان کے دلوں میں اپنے حکموں کی محبت ڈالیں گے، اور جب دین کی محبت چھوٹ جائیگی تو فنا ہونے والی چیزوں کی محبت ان کے دل میں آجائے گی، اس کے لئے لڑیں گے .... اسی کے لئے لڑائیاں ہوں گی، اور نتیجہ میں کچھ نہیں،،، چھوٹے بچوں کی طرح سے ..... چھوٹے بچے کھیل کی چیزوں پر لڑتے ہیں، پھر جب بھوکے ہوتے ہیں تو گھر چلے جاتے ہیں، کیوں کہ اس میں کھانا پینا تو کچھ ہے نہیں، وہ کھیل کی چیز ہے! ایسے ہی دنیا کھیل ہے، تو لوگ جب اللہ کے دین کی محنت کریں گے تو ان کے دلوں میں اللہ اپنے حکموں کی محبت ڈالیں گے، پھر حکم نہیں ٹوٹے گا بلکہ حکم کو اچھے سے اچھے طریقہ سے کریں گے، نماز اچھی سے اچھی پڑھیں گے۔

حضرت ابوبکر کی نماز:

حضرت ابوبکرؓ کی نماز مشہور تھی، حضرت ابوبکرؓ بالکل ایسی نماز پڑھتے تھے جیسے حضور ﷺ پڑھتے تھے، حضور ﷺ نے حکم دیا کہ میری غیر حاضری میں ابوبکرؓ نماز پڑھاوے، ان کو امامت کی امامت سونپی، صحابہ سمجھ گئے تھے ایسا کیوں؟ انہوں نے اپنا دین .... اپنا ایمان .... اپنی نماز ..... ایسی بنائی تھی، جیسی حضور ﷺ کی تھی، عبد اللہ ابن زبیرؓ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے ہیں ان کی بڑی بیٹی اسماء کے بیٹے ہیں، انکی نماز بالکل ایسی تھی جیسے ابوبکرؓ کی تھی، بالکل نانا کی نماز، جلیل القدر آدمی ہیں، بہت جلیل القدر آدمی، حضرت عائشہؓ نے ان کی پرورش کی تھی، حضرت عائشہ ان کی خالہ ہیں، یہ بڑے زبردست عالم بھی تھے، حضرت عائشہ کی پرورش میں ان کو بڑا علم ملا تھا، تو کہتے ہیں ان کی نماز بالکل ایسی تھی جیسے

ابوبکرؓ کی، اور ابوبکرؓ کی نماز بالکل ایسی تھی جیسی حضور ﷺ کی، یہ دین کی محبت کی مثالیں ہیں.

دینی امور کو اچھی طرح انجام دیں!

جیسے دنیا کی چیزوں سے محبت ہوئی تو ان چیزوں کو اونچی سے اونچی کوالیٹی کی بنالیتے ہیں، اونچی کوالیٹی کی چیز خرید کے لاویں گے، کیوں کہ ہماری ضروریات کی ہے، اور ہماری راحت کی چیز دین ہے، دین میں ہی ہماری کامیابی ہے، دین کامیابی کیلئے ہے...... تو دین کی شکل اچھی سے اچھی بناؤ، ﴿وأحْسِنُوْا إنَّ اللّٰه يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ سورۃ: البقرۃ، آیت: ۹۵] حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس کا ترجمہ کیا ہے، اچھی طرح سے کام کرو اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے کام کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں، یہ دعوت ہے، کتنی بڑی بات ہے؟ آسمانوں سے یہ بات ہم کو کہی گئی ہے، اس لئے دین کا کام سر سے اتر تا نہیں کرنا ہے، کیوں کہ جو عمل کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گا دین کے عمل کو گھٹیا بنایا، تو گھٹیاں نتیجہ آئے گا، اور دین کے عمل کو بڑھیا بنایا تو بڑھیا نتیجہ آویگا..... کاشتکار اعلیٰ درجہ کا بیج بوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کی پیداوار ہوتی ہے.....اور گھٹیا بیج ڈالا ہے تو گھٹیا پیداوار ہوگی، عربی میں مثل مشہور ہے کہ (جد ولا تمنن فان الفائد الیک عائد) کہ اچھی طرح کر اور کسی پر احسان نہیں کر تیرے کام کا فائدہ تیرے پاس ہی آئے گا۔

اسلیئے میرے بھائیو! اس محنت کی یہی غرض ہے کہ ہماری دینداری پکی سے پکی ہو جائے، ہم اپنے دین میں پکے ہو جاویں.....اور پکے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی لالچ ہمارے قدم کو ہٹنے نہ دے، آدمی لالچ کی وجہ سے پھنس جاتا ہے۔

دنیا کی کوئی چیز دین سے نہ ہٹا سکے:

دنیا کی چیزوں کا شوق آدمی کو ہٹاتا ہے، مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں، کہ اللہ کے راستے میں ایسے پھرو اتنے پھرو.... کہ پیاری سے پیاری چیز تمہیں اپنی طرف کھینچ نہ سکے، بس اللہ

کے بن جاؤ..... اللہ کے بنکر اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرو، پھر کوئی غلو نہیں ہوگا.... کوئی تقصیر نہیں ہوگی...... پھر کمی زیادتی نہیں ہوگی، اللہ کے بنکر کے اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کریں کہ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالعَدْلِ وَالإحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي القُرْبىٰ ﴾[سورۃ: النحل ،آیت:۹۰] جب اللہ کے بنو گے تو اللہ حکم دیں انصاف کرنے کا...... میرے بندے ہو تو انصاف سے رہو، انصاف کا کیا مطلب ہے؟ جو اپنے لئے پسند کرو وہ دوسروں کے لئے پسند کرو، جو اپنے لئے ناپسند کرو وہ دوسروں کے لئے ناپسند کرو، یہ انصاف کی بات ہے، آدمی گالی کھانا پسند نہیں کرتا تو دوسروں کو کیوں گالی دیگا، آدمی اپنے لئے دعا پسند کرتا ہے تو دوسروں کو دعا دے گا، نہ کہ دوسروں کو گالی دے گا، اپنے لئے نقصان پسند نہیں کرتا تو دوسروں کا کیوں نقصان کرے؟ ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ انصاف کرو..... انصاف سے رہو..... جو چیز اپنے لئے پسند کرو دوسروں کیلئے پسند کرو، جو چیز اپنے لئے ناپسند کرو دوسروں کے لئے ناپسند کرو۔

انصاف اور احسان:

جو اللہ کا بندہ بنے گا اس کی زندگی انصاف پر آئیگی..... سچائی پر آئے گی..... اور اس سے آگے احسان کرنے کا حکم دیا ہے، چوتھا نمبر: کہ اپنی ذات سے اپنے مال سے اپنی طاقت سے دوسروں کو فائدہ پہونچاؤ، اور ان سے فائدہ کی امید مت کرو، یہ احسان کہلاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر بازار میں تھے، تو اس زمانے میں سکے چلتے تھے درہم دینار.... نوٹ نہیں تھے..... تو جب سکے زیادہ ہوتے تھے تو تول کے دیتے تھے، کہ ایک ہزار کا اتنا وزن ہوتا ہے، دس ہزار کا اتنا وزن ہوتا ہے، گننے میں دیر لگ گئی تھی کیونکہ تول کر دیتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تولنے والے کو حکم دیا، کہ تولو اور جھکتا تولو!"وارجح" تول کے دے برابر، اور مال جھکتا دے تول کے دینا انصاف ہے، کیوں کہ پیسے لئے ہیں

،تو تول کے برابر دو جتنے پیسے لئے ہیں جتنا مال لیا ہے اتنا مال انصاف......اور اس سے آگے کہ اپنی طرف سے جھکتا دو یہ احسان ، کیوں کہ میرے اللہ کا یہ حکم ہے، ''زن وارجح''تول جھکانا واجب نہیں ہے، لیکن ایک حکم یعنی عدل واجب ہے......دوسرا حکم یعنی احسان مستحب ہے...... یہ ہمارا دین ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ انصاف......اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان۔

حکموں میں برکت بھی ہے اور بدلہ:

جب دین اندر اترے گا تو ایک ایک حدیث قیمتی ہو جائے گی، اس کا عمل قیمتی بن جائے گا، جب زندگی اللہ کے حکموں والی بنتی ہے تو اللہ اپنے حکموں کی برکتیں دیتے ہیں، ہر حکم میں برکت بھی ہے..... ہر حکم میں بدلہ بھی ہے.....حکم پر عمل کرنے کا بدلہ بھی ملے گا اور اس کی برکت بھی ملے گی، ایمان والوں سے یہ بات کہی گئی ہے کہ تمہیں حکموں کا بدلہ ملے گا، اور تمہیں حکم کی برکت دی جائے گی، برکت ایمان کی وجہ سے ملتی ہے اور بدلہ بھی ایمان کی وجہ سے ملتا ہے، جب ایمان کے تقاضے اللہ کے حکم سے پورے کئے جائیں گے تو اللہ دونوں معاملہ کریں گے، برکتیں بھی دیں گے اور بدلہ بھی دیں گے......نماز کا بدلہ آخرت میں ملے گا....اور برکتیں یہاں ملیں گی......علماء نے لکھا ہے کہ نماز میں برکت ہے، کہ نماز اخلاق کو ٹھیک کرے گی، روزی کو کھینچ کے لاتی ہے۔

سنت میں نور ہے:

نماز پابندی سے سنت کے مطابق ہونی چاہئے، مسئلہ آج یہ ہو گیا ہے کہ دین سیکھا نہیں جارہا ہے، رسمی طور پر کر رہے ہیں، نماز سنت کے مطابق پڑھی جائے گی، مولانا ابرارالحقؒ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں، انہوں نے فرمایا، پوری نماز میں تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک اکیاون سنتیں ہیں، ان کی کتاب ہے ''تحفۃ الأبرار'' چھوٹی سی کتاب ہے،

انہوں نے گنوائیں ہیں، رکوع میں اتنی سنتیں ہیں، قیام میں اتنی سنتیں ہیں، قومہ میں اتنی سنتیں ہیں، تو روزآنہ نماز میں اکیاون سنتوں پر عمل کرے گا.....اسکو کتنا نور ملے گا؟ سنت میں نور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿قَدْ جَائَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِيْنٌ [سورة: المائده، آیت:۱۵] کہ تمہارے پاس ایک نور آیا ہے اور ایک کتاب آئی ہے، تو قرآن کریم کتاب ہے، اور نور سنتیں ہیں، حضور ﷺ کی زندگی نورانی ہے۔

یقین میں بھی کمزوری آجاتی ہے!

اس لئے دین میرے بھائیو! سیکھا جائے گا، جب دین سیکھ کر کریں گے.....سمجھ کر کریں گے، اور محنت کے ساتھ کریں گے.......تو محنت سے دین کے حق ہونے کا یقین پیدا ہوگا، کبھی یقین بھی مضمحل ہو جاتا ہے.....پھر آدمی دین پر قائم نہیں رہتا ہے..... کیوں کہ اس کا یقین کمزور ہو گیا ہے، آدمی کی ٹانگیں کمزور ہو جاویں تو آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا چل نہیں سکتا، ایسے یقین کمزور ہو گیا.....تو اب دین پر چلنا بھاری پڑے گا.....اس لئے محنت کا اثر ہوگا.....اندر دین کے حق ہونے کا یقین آوے گا، تو یہ یقین صحیح چلائے گا، پھر صحیح چلنے کے لئے اللہ کے حکموں کو محمد ﷺ کے طریقوں پر پورا کرنا ہے، یہ صحیح چلنے کا مطلب ہے۔

اعمال صحیح ہوں گے تو دعائیں قبول ہوں گی:

برکتوں میں سے یہ ہے کہ جب عمل صحیح ہوگا تو دعائیں قبول ہوں گی، عمل صحیح نہیں ہوتا ہے تو پھر دعا اٹکتی ہے، کیوں کہ وہ نماز ہی اٹک گئی ہے.....اوپر گئی ہی نہیں.....ایسے ہی جن چیزوں میں بھی حکم نہیں ہوں گے وہ اوپر نہیں جاسکتے، لیکن عملی زندگی میرے بھائیو! بنی ہوئی ہے تو عمل اوپر جاتا ہے، اچھے اعمال اوپر جاتے.....اور اچھے حالات اوپر

سے نیچے آتے ہیں، اسلئے جب عمل اچھا ہو..... اخلاص ہو..... طریقہ سنت والا ہو..... تو اس عمل پر دعا قبول ہوگی، یہ اس کی برکت ہے، تب کوئی حاجت اللہ سے مانگے گا اور اللہ نے وہ حاجت پوری کردی تو یقین بڑھ گیا..... کہ اللہ نے میرا کام بنادیا، تو آئندہ بھی کرے گا۔

مجاہدہ سے ایمان بڑھتا ہے:

تو محنت سے یقین بنتا ہے..... اور دین سیکھنے سے عمل کی شکل صحیح ہوتی ہے..... اور عمل کی شکل صحیح ہوگی، تو اسکی برکتیں آویں گی، ایمان والوں کو برکتیں بھی دی جاتی ہیں..... اور بدلہ بھی دیا جاتا ہے، دنیا میں برکت دے کر کے اللہ ان کے لئے دنیا کی مشکلات کو آسان کرتے ہیں۔ یہ برکت کا اثر ہے برکت کے معنی زیادہ ہونے کے نہیں ہیں فقط، اور کبھی زیادہ دے دیتے ہیں..... اور کبھی زیادہ نہیں دیتے..... لیکن برکت کے ذریعہ سے مسائل کو آسان کریں گے..... مشکلات کو آسان کریں گے، اسلئے دین کے اندر میرے بھائیو! برکتیں بھی ہیں اور دین کے اندر بدلہ بھی ہے۔

دین کے اندر ایک سبحان اللہ اُحد پہاڑ سے بڑا ہے، اندازہ لگاؤ نمازوں کے بعد ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھنا سنت ہے، اور سونے سے پہلے پہلے یہ سنت ہے، ایک سبحان اللہ احد پہاڑ سے بڑا ہے..... تو کتنا ثواب ملے گا؟ مولانا الیاسؒ صاحب فرماتے تھے جب ایک سبحان اللہ اُحد پہاڑ سے بڑا ہے تو باقی عملوں کو سوچو، کہ نماز کتنی بڑی ہوگی؟ زکوٰۃ کتنی بڑی ہوگی؟ روزہ کتنا بڑا؟ حج کتنا بڑا؟ اللہ کے راستے کی قربانیاں وہ کتنی بڑی ہوں گی؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

بات سن کر عمل کا جذبہ پیدا ہو!

مگر یہ سب باتیں میرے بھائیو! سن کر کے یقین کرنے کی ہیں، اچھا کہہ دینا یہ ہماری

عادت ہوگئی ہے، بہت اچھا کام ہے، پھر بھی حق ادا نہیں ہورہا ہے.....تو یہ صحیح نہیں ہوا، کہ کسی چیز کو اچھا بھی سمجھا اور اسے چھوڑ بھی دیا، یہ صحیح نہیں ہے، اچھا سمجھنے کے بعد اپنے آپکو اسکا پابند بنانا، یہ اس سے نفع حاصل کرنے کا صحیح طریقہ ہے، جیسے بازار میں کوئی چیز اچھی لگتی ہے، تو آدمی اس کو خرید لیتا ہے.....اور خریدی نہیں.....اور گھر آکر بیوی سے ذکر کیا کہ فلاں چیز میں نے بازار میں دیکھی تھی بہت اچھی تھی، وہ فوراً کہے گی کہ لائے؟ کہ! نہیں، تو وہ سر پٹکے گی، اور نادان بتاوے گی، کہ جب اچھی کہہ رہے ہو پاس پیسہ بھی تھا.... پھر بھی چھوڑ کر کے چلے آئے، اسلئے خالی اچھا کہہ دینا یہ کافی نہیں۔

صرف تعریف کردینا کافی نہیں ہوتا:

ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، انھوں نے اپنی حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت حمایت کی ہے....مکہ کے مشرکین کوئی ایذاء دینے کی ہمت نہیں کرتے تھے....اتنی حمایت انھوں نے کی تھی.....اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تعریف کرتے تھے......کہ ہمارے بھتیجہ کا دین بہت اونچا دین ہے......بہت اچھا دین ہے.... انکے اشعار انکے دیوان میں ہیں، عربی میں انکے اشعار ہیں،

وعرضتَ ديناً قد علمتُ بأنَّه

من خير أديان البرية دينًا

[دیوان أبی طالب، ص:۸۶

مجھکو معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دنیا کے تمام دینوں میں سب سے افضل اور اونچا دین ہے، مگر اچھا کہہ کے چھوڑ دیا...... قبول نہیں کیا..... اپنی زندگی اس پر نہیں ڈالی...... تو انکو فائدہ نہیں ہوا، کیوں کہ بغیر دین کے وہ دنیا سے چلے گئے، ہم لوگوں کے لئے نمونہ ہے، اس کام کو اچھا سمجھ کر کے اپنی زندگی اس پر ڈالنا یہ اسکے اچھا ہونے کا تقاضہ ہے۔

کام کو دوسرے وقت پر مت ٹالو!

آئندہ کریں گے، بعد میں کریں گے، اسکو تصویف کہتے ہیں، عربی میں تصویف کا مطلب یہ ہیکہ بعد میں کریں گے..... کل کریں گے...... عید کے بعد کریں گے..... حج کے بعد کریں گے...... رمضان کے بعد کریں گے...... یہ تصویف ہے، بات کو اور کام کو ٹالنا یہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، شیطان کسی اچھے کام میں کسی مسلمان سے یہ نہیں کہے گا کہ مت کر، بلکہ یہ کہے گا، کہ بہت اچھا کام ہے بعد میں کر لینا۔

حدیثوں میں ہے کہ آدمی رات کو اٹھنے کے ارادے سے سو جاتا ہے، پھر رات کو اسکی آنکھ کھلتی ہے گھڑی دیکھتا ہے...... تو اندر سے مشورہ آتا ہے...... کہ ابھی تو بہت دیر باقی ہے...... ابھی اور آرام کر لو، پھر سو جاتا ہے، پھر آنکھ کھلی...... پھر گھڑی دیکھی..... پھر اندر سے مشورہ آتا ہے، ابھی تو بہت دیر ہے، اذان بھی نہیں ہوئی ہے، پھر سو گیا تو شیطان اس طرح اسکو سلاتا ہے..... یہاں تک کہ فجر بھی گئی، تہجد بھی گئی، سورج نکل آئے گا یہ ''تصویف'' ہے، اور ایسا دین کے کام کرنے والوں کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے..... ٹالنا آدمی کو کام سے محروم رکھتا ہے، موقع اسکے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ''أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ أَهْلُ التَّصْوِيفِ'' زیادہ تر جہنم میں جانے والے یہی لوگ ہوں گے..... بعد میں کریں گے...... پھر کریں گے...... اگلے سال کریں گے..... رمضان کے بعد کریں گے...... بعد میں نماز پڑھ لینگے، کتنی نمازیں انکی قضاء ہوئی ہیں!!! اور وہ اسی حال میں مر بھی جاتے ہیں، دوسروں کے حق ان پر ہوتے ہیں بعد میں دے دیں گے...... اسکی وصیت بھی نہیں ہوئی، اور موت آ گئی، لوگوں کا حق لے کر مر گئے۔

ایک اہم واقعہ:

حضور ﷺ نے جب مکہ میں اپنا کام شروع کیا تھا تو منٰی میں جاہلیت کے زمانہ میں

لوگ حج کو آتے تھے.....عرب کے مشرکین اپنا حج کرتے تھے، ابھی اسلام کا حج آیا نہیں تھا، لیکن منیٰ میں مجمع جمع ہوتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت لے کر کے ان میں جاتے تھے، اور انکو ایمان کی دعوت دیتے تھے، اپنے رسول ہونے کی دعوت دیتے تھے..... اگر یہ لوگ یہاں سے ایمان لے کر گئے، تو اپنے علاقے میں پہونچائیں گے، حج کے ذریعہ سے دین پھیلتا ہے..... اسلئے مولانا یوسف صاحبؒ نے ہمارے ملک میں حاجیوں میں کام شروع کیا تھا، اگر حاجیوں میں کام ہو جاوے تو حج کے ذریعہ سے بات دور دور تک جاتی ہے، اور اسکی بڑی اچھی کارگزاری سناتے تھے، ہم نے بھی مولانا کے منھ سے سنی تھی...... تو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر اپنا کام کرتے تھے..... انکو ایمان کی اسلام کی دعوت دیتے تھے...... ایک مرتبہ منیٰ میں ایک قافلہ کے پاس گئے، اور انکو دعوت دی، انکے بات سمجھ میں آئی، لیکن وہی!!!!! کہ ابھی تو ہم حج میں آئے ہیں، گھر جا کر کریں گے، بعد میں آویں گے، خلاصہ یہ کہ انھیں پھر موقع ہی نہیں ملا، اور چلے گئے، پھر آئے ہی نہیں یہاں تک کہ ساتھیوں کا انتقال ہو گیا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، تو ایک ساتھی ان میں سے جو بچا تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں ملاقات کی، اور عرض کیا کہ آپ ہمارے یہاں آئے، اور آپؐ نے ہمکو دعوت دی تھی، ہم نے بات نہیں مانی، تو ہمارے جتنے ساتھی تھے اس عرصہ میں ایک ایک کر کے سب مر گئے، تو میں یہ پوچھتا ہوں یا رسول اللہ ان کا کیا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمارے دین پر نہیں مرے گا وہ جہنم میں جائیگا۔

دینی امور میں سبقت کریں!

اسلئے دین کا معاملہ آوے تو میرے دوستو! اسکا تقاضہ ہے سبقت کرنا، یعنی آگے بڑھنا، اور جلدی کرنا، اللہ فرماتے ہیں ﴿سَابِقُوْا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [سورہ:

الحدید، آیت:۱۲] اللہ کی مغفرت وبخشش کی طرف جلدی کرو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بَادِرُوْا بِالأعْمَالِ''[شرح السنة للإمام البغوی/ حدیث نمبر:۴۲۲۳] کہ عمل میں جلدی کرو، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلدی کرنے کو کہہ رہے ہیں، ٹالنے کو نہیں کہہ رہے ہیں، کہ بعد میں کریں گے ...... جب دین کے کام کو آگے کیا جاوے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے کاموں میں دین کی برکت دیگا، اور دنیا کے کام کو آگے اور دین کو ہٹا دیا تو اسکی برکت نکل جائیگی، پھر اس میں آدمی پھنس جاتا ہے.....برکت نہ ہونے کا مطلب یہ ہیکہ اس میں پھنسا ہوا ہو جاوے، وہ اسی میں رہے گا، کیوں کے اللہ کے وعدے سچے ہیں، اس لئے میرے دوستو! اپنے آپ کو دین پر لگانا ہے اور دین پر اسلئے لگانا ہے کہ ہمارا ایمان...... ہمارا یقین..... ہمارا اللہ کا خوف...... اتنا پیدا ہو جاوے جو ہمیں منزل مقصود تک پہونچاوے۔

دین کے کام میں ناگوار حالات آتے ہیں:

دین کے کام کرنے میں ناگوار حالات آتے ہیں، رکاوٹیں آتی ہیں، تکلیفیں آتی ہیں، مخالفتیں ہوتی ہیں، اور یہ ہوگا..... یہ کوئی ان ہونی بات نہیں ہے..... کہ نہیں ہونی چاہئے، نہیں! بلکہ یہی ہوگا، جیسے گلاب کا پھول بہت خوش نما ہوتا ہے اور اسکے چاروں طرف کانٹے ہوتے ہیں، ایسے دین ہے، جب دین کے کاموں کو آدمی شروع کرتا ہے تو ابتدا ناگواریوں سے ہوتی ہے، ابتداء رکاوٹوں سے ہوتی ہے، اور یہ رکاوٹیں اللہ تعالیٰ ترقی دینے کے لئے ڈالتا ہے، رک جانے کے لیئے نہیں..... کہ رکاوٹ کی وجہ سے رک گیا..... اگر رکاوٹ کی وجہ سے رک گیا تو رک جائیگا، اسکی ایسی مثال ہے: جیسے دواؤں میں کڑواہٹ ڈالی گئی ہے، کہ دوا ہے، علاج ہے، یہ میٹھی نہیں ہوتی...... یہ خوشگوار نہیں ہوتی.... کہ علاج گراں ہوتا ہے.....علاج کڑوا ہوتا ہے.....علاج مہنگا ہوتا ہے.....

لیکن اسی گرانی میں...... اسی مہنگائی میں..... اسی کڑواہٹ میں..... بیماری دفع ہو جائے گی، اور بدن میں تندرستی آجائیگی، اسلئے سمجھ دار بیمار وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو علاج کے لئے تیار کر لیتا ہے، میرا علاج کراؤ چاہے جتنے پیسے لو، ہڈی ٹوٹ گئی ہے، ڈاکٹر کہہ رہا ہے تین مہینہ کا پلاسٹر ہوگا، تب جا کر یہ ٹانگ صحیح ہو جائے گی، تین مہینے لگیں گے، تو وہ تیار ہو جائیگا، ہمارے یہاں ایک آدمی کے کمر میں تکلیف ہوگئی تو چھ مہینے لکڑی کے تخت پر اسکو لٹایا، تو چھ مہینہ انہوں نے اسی طرح لکڑی کے تخت پر گزار دیئے، اور وہ صحت یاب ہو گئے پھر چلنا پھرنا ہو گیا، دین میں بھی یہی ہے ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ [سورۃ: الم نشرح، آیت: ۵-۶] کہ یاد رکھو دشواری کے پیچھے آسانی ہے۔

حق کی ابتدا ناگاریوں سے ہوتی ہے:

مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ دین حق ہے، اور حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوگی، اور اسکی انتہاء کامیابیوں سے ہوگی، اللہ کا سودا سستا نہیں ہے، مہنگا ہے، ناگواریاں برداشت کرنا........ اور کچھ نہیں، تھوڑی ناگواری آئیگی، تھوڑی کڑواہٹ آئیگی، تھوڑی تکلیف آئیگی...... تھوڑی مخالفت آوے گی .... اور پھر اسکے بعد اللہ آسانی کرے گا...... اسلئے فرماتے تھے کہ دین حق ہے اور حق کی ابتداء ناگواریوں سے ہوگی اور انتہاء کامیابیوں سے ہوگی۔

اللہ کی قدرت اصل ہے:

جب کام پورا ہو جاوے اور کام پورا کر کے اللہ کو بتاؤ گے پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسانیاں لاوے گا، اسلئے حکم ہے اللہ سے اچھے حالات کے امیدوار رہو، اور کام کرو...... اور بشارتیں لو...... حدیث پاک میں ہے: ”أَبْشِرُوْا وَأَمِّلُوْا

مَایَسُرُّ کُمْ" [سنن ابن ماجه/ حدیث نمبر:۳۹۹۷] بشارتیں لو، اللہ بشارتیں دیتے ہیں، فضیلتیں سناتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اچھے حالات کے امیدوار رہو، کہ اللہ تعالیٰ اچھے حالات لاوے گا، اور ایسے حالات لاوے گا جو تمہیں خوش کر دیں گے، اور کیسے لاوے گا؟ اللہ اپنی قدرت سے لاوے گا، اللہ کسی سبب کا پابند نہیں ہے، مال ہوگا تو حالات اچھے ہو جاویں گے ...... تعداد اچھی ہوگی تو حالات اچھے ہو جاویں گے ..... کچھ نہیں! ساری چیزیں بعد میں ہیں اللہ کی قدرت اول آخر ہے، جو کچھ ہوگا، اللہ کی قدرت سے ہوگا، اسلئے فرمایا: أبشروا وأمّلوا مایسرکم کہ بشارتیں لو.. خوشخبریاں سنو..اور امیدوار رہو اللہ تعالیٰ سے ایسے حالات کے کہ جو تمہیں خوش کر دیں۔

اللہ کے حکموں میں طاقت ہے:

آدمی کو وہ ملے گا جو اسکی محنت ہوگی، ﴿وَأَنْ لَیْسَ للإنْسَانِ إلّا مَاسَعی﴾ [سورۃ: النجم، آیت:۳۹] کہ آدمی کے لئے کچھ نہیں ہے سوائے اسکی محنت کے، اسلئے اپنی محنت کو اللہ کے حکموں پر لگانا ہے، ایک ایک حکم میں بڑی طاقت ہے، اگر وہ حکم زندگیوں میں آ گیا تو اس حکم کے ساتھ جو اللہ کی طاقت ہے، وہ زندگیوں میں ساتھ رہے گی، ایمان میں ایک طاقت ہے...... نماز میں ایک طاقت ہے...... زکوٰۃ میں ایک طاقت ہے ......روزہ میں ایک طاقت ہے...... ذکر میں ایک طاقت ہے...... اب یہ سارے احکام زندگیوں میں آویں گے، اور اس طرح زندگی عمل پر پڑے گی، تو اسکے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی طاقت ہے وہ ساتھ دے گی، اسلئے ایمان والا اپنے عملوں سے کامیابی لیتا ہے، اور دنیا کے اسباب کو حکم کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔

اللہ نے دنیوی اسباب سے منع نہیں فرمایا:

دنیا کے اسباب کو استعمال کرنے سے اللہ نے منع نہیں کیا، انکو چھوڑنے کی دعوت

ہماری نہیں ہے، کہ دکان چھوڑو...... مکان چھوڑو...... گھر چھوڑو..... یہ چھوڑ دینے کی دعوت ہماری دعوت نہیں ہے، دین کی دعوت حکموں کے پابند ہونے کی ہے، اپنے آپکو حکم کا پابند کرو، یعنی محنت کرتے ہوئے عمل کریں گے، تو محنت کے درجہ میں یقین آوے گا، اور دین سیکھنے سے عمل صحیح ہوگا، تو یقین بھی صحیح ہوگا، اور عمل بھی صحیح ہوگا، اب حالات صحیح ہونگے، اسلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محنتوں کی دعوت ہے، تھوڑے ناگوار حالات آویں تو حالات کو برداشت کرلو، جیسے بیمار اور ضرورتمند اپنی ضرورت کی وجہ سے اپنے حالات برداشت کرلیتا ہے، ایسے ہی ایمان والا اپنے دین کی وجہ سے اپنے حالات برداشت کرے۔

ناگوار حالات پر صبر کریں:

حالات کو برداشت کرنا اسکو صبر کہتے ہیں، ایمان کا تقاضہ ہے کہ ایمان والا اللہ کے حکموں کے لئے صبر کرے، صبر سے حالات بنیں گے..... صبر سے بدلہ وانصاف بڑھ جائیگا...... اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور بے حساب بدلہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، تمام نبیوں کی زندگی صبر سے بھری ہوئی ہے، جتنا بڑا نبیؑ اتنا بڑا صبر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ پاک نے یہ بات رکھی ﴿واصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُوْلُ العَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [سورة: الأحقاف، آیت: ۵۳] کہ نبی آپؐ بھی ایسا بڑا صبر کریں جیسا کہ بڑے بڑے رسولوں نے کیا، نوحؑ نے صبر کیا..... ابراھیمؑ نے صبر کیا....... موسیٰؑ نے صبر کیا...... عیسیٰؑ نے صبر کیا...... یہ چار بڑے بڑے پیغمبر ہیں جنکا صبر بہت بڑا ہے، اپنے دین و ایمان کی تبلیغ کے لئے اللہ کے حکموں کو امت میں لانے کے لئے..... پھر پانچویں نمبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ایسی تکلیفیں دی گئی ہیں، ایسی تکلیف کسی کو بھی نہیں دی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی تکلیفیں آئیں:

اگر آپ سیرت پڑھیں تو تکلیف کی کوئی ایسی قسم نہیں ہے جو آپ پر نہ آئی ہو، سیرت پڑھنی چاہیئے، تکلیف کی کوئی قسم باقی نہیں رہی جو آپؐ پر نہ آئی ہو، بڑی بڑی تکلیفیں تو مشہور ہیں، کہ آپ کو زہر دیا گیا...... آپؐ پر جادو کیا گیا....... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت قسم کا زہر کھانے میں خیبر میں دیا گیا، بہت سخت قسم کا زہر تھا، منھ میں نوالہ چلا گیا تھا، وحی کے ذریعہ سے پتہ چلا تو وہ نکال دیا، اور جو ساتھی کھانا کھا رہے تھے وہ تو کھا گئے، انکا انتقال ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تو اس زہر سے نہیں ہوئی لیکن اسکا اثر موت تک رہا، حدیثوں میں ہے کہ جب موسم بدلتا تھا تو وہ زہر اثر کرتا تھا، جیسے موسم بدلتا ہے، تو طبیعتوں پر اسکا اثر ہوتا ہے، تو جب جب موسم کی تبدیلی آوے تو اس وقت زہر کا اثر آپؐ کے بدن پر ہوتا تھا، اور اسکی تکلیف آپؐ کو ہوتی تھی، اور بہت سخت تکلیف ہوتی تھی، ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب موسم بدلتا ہے تو آپؐ پر زہر کا اثر ہوتا ہے، تکلیف ہوتی ہے؟ فرمایا کہ یہ کوئی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا تھا جادو کیا گیا، چھ مہینہ تک جادو رہا، اور سخت قسم کا جادو تھا۔

کام میں مختلف قسم کی تکلیفیں:

یہ تو مشہور ہیں اسکے علاوہ آپؐ کی بیٹیوں کو طلاقیں ہوئیں، کتنا معاملہ سخت ہے؟ بیٹی کو طلاق...... بیٹی گھر آ رہی ہے، کیا گناہ ہے؟ اس بیٹی کا کوئی گناہ نہیں ہے، سوائے اسکے کہ اسکا باپ تبلیغ کرتا ہے، اسکے باپ کی یہ تبلیغ ہمارے باپ داداؤں کے خلاف ہے، راستہ میں کانٹے بچھانا یہ سب ہے، اسلئے فرماتے تھے کہ مجھے اتنی ایذائیں ہوئی ہیں کہ اتنی ایذائیں کسی کو نہیں ہوئیں..... جسمانی بھی اور روحانی بھی..... کہ آپؐ کے خلاف لوگوں کو

ورغلایا جاتا تھا، بادشاہوں کو ورغلایا گیا..... کسر چھوڑی نہیں، کہ صرف پبلک کو ورغلایا، پبلک کو بھی ورغلایا! اور بادشاہوں کو بھی ورغلایا، کیسے ماحول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کام کیا ہے؟ یہ دیکھنا چاہئے، ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ مکی زندگی ٹھیک تیرہ سال ہے...... چاروں طرف ماحول کیسا تھا؟ وہ آپ کو سیرت میں ملے گا، کہ چاروں طرف کتنا سنگین ماحول تھا، ہر طرف سے آپ کے مقابلے میں کتنی دیواریں کھڑی تھیں؟ مگر آپؐ نے اپنا کام کیا ہے۔

نبیوں کی زندگیاں:

ہمارے سامنے اللہ پاک نے اپنے نبیوں کی زندگیاں رکھی ہیں، اس امت کو نبیوں کی زندگیاں سنائی ہیں، دوسروں کی نہیں! نبیوں کی زندگی دیکھو! تاکہ تمہاری محنت کا سوچنے کا معیار اونچا ہو، اس لئے ہمارے سامنے نبیوں کی زندگیاں بیان کیں، مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ اسی امت کو اللہ پاک نے نبیوں کی زندگیاں سنائی ہیں، کہ ہمارا فلاں بندہ اس کو دیکھو﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ﴾ [سورہ:ص، آیت:۴۱] کہ ایوب کا ذکر کرو کتنی لمبی بیماری آئی تو کتنا بڑا صبر کیا؟﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّاب﴾ [سورۃ: ص، آیت: ۳۰] کہ ایوب کا ذکر کرو کتنا بڑا صبر کیا ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، بہت اچھا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں بہت اچھا بندہ ہماری طرف رجوع کرنے والا، ایوبؑ کا صبر سنایا، اور انہیں اللہ کے پاس سے شاباشی ملی، امت کو نبیوں والی زندگی سنائی ہے تاکہ ہماری ہمتیں ہمارے ارادے ہماری قربانیاں اونچی ہو جاوے، چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں پھنسنا ہے، ہمارا راستہ اونچا راستہ.....نبیوں والا راستہ ہے، جو اس امت کو دیا گیا ہے، آدمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک قرآن کریم میں نبیوں کا ذکر ہے، ان کے واقعات سنائے، ہر نبی کے مقابلہ میں ایک باطل ہوتا تھا، کسی کے سامنے مال کا باطل ہے..... کسی کے سامنے حکومتوں کا باطل ہے..... کسی کے سامنے قومیت کا باطل ہے..... کسی کے سامنے اکثریت کا باطل ہے۔

ناتمام محنت پر فیصلہ نہیں ہوتا:

ہر نبی کے سامنے ایک بڑی تعداد رکاوٹ کی ہوتی تھی، اس کے مقابلے میں صبر کے ساتھ وہ اپنا کام کرتے تھے، پھر جب ان کا کام اس حد تک پہنچ جاتا تھا جس حد تک اللہ ان سے چاہتے تھے تو اللہ کی طرف سے فیصلہ ہوتا تھا..... یہ بھی یاد رکھو کہ ہماری محنت اس حد تک پہنچ جاوے جو حد اللہ ہم سے چاہتے ہیں تو ہوگا فیصلہ!!! ورنہ ہم نے اپنی محنت ناتمام چھوڑ دی تو فیصلہ نہیں ہوگا......آدمی مایوس ہو کر کام چھوڑ دیتا ہے......ہم نے تو بہت کیا....ہمارے حالات صحیح نہیں ہوئے..... ایسا نہیں! اپنی محنت کو وہاں تک لے جاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ کی مدد اترے، آدمی کنواں سے پانی لینا چاہتا ہے..... تو ایک تو کنواں کھودنے کی محنت کرو کہ کنواں کھودو، وہاں تک کہ پانی تک پہنچ جاؤ! اور اگر کھودتا کھودتا تھک گیا کہ اب نہیں ہوتا.....تو نہیں ہوگا، اپنی محنت کو وہاں تک لے جاؤ جہاں تک پانی ملے، نیچے پانی کا خزانہ ہے، سب جانتے ہیں..... تو اپنی رسی اپنا ڈول اتنا ہو کہ پانی تک پہنچے یا پائپ اتنا ہو کہ جو پانی تک پہنچے..... اگر پائپ یا رسی پانی تک نہیں پہنچتی تو نیچے کا پانی اوپر نہیں آئے گا۔

محنت کا معیار:

اس لئے دین خاص کرنے کے لئے اپنی محنت کے لئے جتنے اسباب مطلوب ہوں سب لگنے چاہئے، اسباب اللہ نے اسی لئے دیئے ہیں کہ ہم اسباب سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اسباب سے اپنی راحتیں لیتے ہیں ایسے ہی اپنے اسباب سے اپنا دین بھی کمائیں، یہ تقاضا ہے، اپنے اسباب سے اپنا دین بھی کماؤ، پانی لینے والا پوری رسی اور ڈول لیکر جائے گا تو پانی لیکر آئے گا۔ کھودنے والا پوری کھودائی کرے گا تو پانی اس کے قبضے میں آئیگا، جب چاہے لے لے یہ محنت کا معیار کہلاتا ہے، اپنی محنت کے معیار کو وہاں تک لے جاؤ

جہاں سے اللہ تعالیٰ کی مددیں آیا کرتی ہیں۔ اس درمیان میں ناامید نہیں ہونا ہے، ہم نے تو بہت چلّے لگائے..... ہم نے تو بہت وقت لگایا...... ہمارے حالات نہیں بنے، بننے والے ہیں گھبراؤ مت، اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے، اپنی چیز کو آگے تک لے جاؤ.

حالات میں صحابہ ؓ کرام کی ترتیب:

ایک دفعہ صحابہ نے حضور ﷺ سے شکایت کی......شکایت بڑوں کے سامنے ہونی چاہئے تاکہ دل کو اطمینان ہو جاوے، کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں مانگتے آپ ہمارے لئے مددیں کیوں نہیں اترواتے ''أن لا تدع لنا أن لا تنصر لنا'' کلماتِ دعا حدیث کے اندر ہیں، کہ ہماری حالت یہ ہے کہ بھوکے پیٹ......روٹی ہمیں نہیں مل رہی ہے، خوف اتنا ہے، ماحول یہ ہے کہ رات کو نیند نہیں آتی، سونے کے لئے اپنے بچاؤ کا انتظام کرنا پڑتا ہے، اتنے حالات شدید ہیں، آپ نے ان کی باتیں سنیں، سن کر جو جواب دیا وہ جواب تسلی کے بجائے تربیت کا تھا، جواب تسلی کا نہیں کہ سر پر ہاتھ پھیر دیا گھبراؤ نہیں، ایسا نہیں کیا......بلکہ تربیت کا جواب دیا......کہ دیکھو تم سے پہلے زمانے کے جو لوگ دین کا کام کرتے تھے اور دین پر باقی تھے ان پر جو حالات آئے ہیں وہ تمہارے حالات سے زیادہ سخت تھے، تو وہ کیا حالات تھے؟ ان میں سے بعضوں کو آرے سے سیدھا چیر دیا، ان کے دو ٹکڑے ہو گئے، اس کے باوجود بھی وہ دین سے ہٹتے نہیں تھے، اور دین چھوڑتے نہیں تھے، اور لوہے کی کنگھی سے ان کی کھالیں چھیل دی گئیں، بدن کی کھال چھیل دی گئی اس کے باوجود بھی وہ اپنے دین پر قائم تھے، آپ لوگ بتاؤ کیا آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہے؟ کہ آپ کے دو ٹکڑے ہوئے ہیں؟ اور لوہے کی کنگھی سے بدن چھیلا گیا ہے؟ ایسا تو نہیں ہوا! تو پھر تمہارے حالات تو اس کے مقابلہ میں کم ہیں، اس لئے تم جلدی مت کرو تم جلدی مت کرو، فرمایا تمہارے حالات تو بننے والے ہیں

.....تمہاری تکلیف ختم ہونے والی ہے.....اللہ کا فیصلہ ہے ہونے والا ہے، لیکن تم جلدی کرتے ہو "ولکن لاتستعجلوا" جلدی مت کرو اپنا کام پورا کر کے اللہ تعالیٰ سے بتاؤ.

ہماری تربیت کا بھی یہی طریقہ ہے:

یہ تربیت کا جواب ملا....... وہی جواب ہمارے لئے بھی ہے، الحمد للہ ہمارے ساتھی کام کرتے ہیں ان پر حالات آتے ہیں...... ناگواریاں آتی ہیں، قرضے بھی ہو جاتے ہیں..... تنگیاں بھی ہو جاتی ہیں.....میرے بھائیو! یہ آفت نہیں ہے. یہ تکلیف ہے، اور تمام تکلیفیں لکھی جائیں گی..... یہ بیمار ہوا..... اس کا قرضہ ہو گیا.....اس کو تنگی ہو گئی..... اس کو ستایا گیا...... یہ سب لکھا جائے گا، قرآن حدیث پڑھو! کہ ان کو میرے راستہ میں ایذائیں ہوئی ہیں ﴿وَاُوْذُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾ [سورة: آل عمران، آیت:۱۹۵] کہ ان کو ہمارے راستہ میں تکلیفیں ہوئی ہیں، میرے راستہ میں ان کو ایذائیں دی گئی ہیں، یہ حالات ان پر آ گئے ہیں کہ یہ سب حالات ہمارے علم میں ہیں، اللہ فرماتا ہے یہ حالات ان کے لئے انعام بن جائیں گے، ان حالات سے اللہ ان کے گناہ معاف کر دے گا...... یہ بڑا انعام ہے، کہ ہماری غلطیاں ہمارے قصور جو اللہ کے علم میں ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، اور پھر جو اطاعت ہوئی ہے اس کے انعام اللہ تعالیٰ دیں گے۔

دین کے راستہ کی تکلیفیں کامیابی کے لئے ہیں:

اس لئے جو تکلیفیں جو ناگواریاں اللہ کے کام کی وجہ سے آئی ہیں..... اللہ کے دین کی وجہ سے آئی ہیں..... وہ کوئی نقصان کی بات نہیں ہیں، بلکہ وہ قربانی کی بات ہے، اس پر اللہ سے اچھا گمان رکھنا چاہئے، یہ حکم ہے، رسول ﷺ اپنے اصحابؓ سے فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھو! کیوں کہ اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے، وہ بڑا حکیم

ہے، جو وہ کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے، وہی خیر ہے، جابر بن عبد اللہؓ فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے فرمایا کہ دیکھو جابر تمہاری موت اس حالت میں آنی چاہئے کہ تمہارا گمان اپنے اللہ کے ساتھ اچھا ہو، بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرے اور اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان نہ ہو یہ کیسی بات ہے؟ مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کا کام کرے اور اللہ کے وعدوں پر یقین نہ کرے تو یہ فاسق ہے، حکومت کا کوئی ملازم حکومت کا کوئی کام کر کے وہاں سے نا امید نہیں ہوتا، حکومت تنخواہ دے گی، تو گورمنٹ تو مخلوق ہے، مگر وہ نا امید نہیں ہے، چاہے ملک کتنا ہی فقیر ہو، تو کیا اللہ تعالیٰ دنیا کی حکومتوں سے کمتر ہے نعوذ باللہ؟ حضرت فرماتے تھے کہ اللہ کا کام کرو! اور اللہ پر یقین رکھو! اللہ تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہاری دنیا اور آخرت دونوں بنانے والا ہے۔

تکلیف سے اللہ تعالیٰ ترقی دیتا ہے:

ایسے ہی حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ سے اچھا گمان رکھو جو معاملہ میرے ساتھ ہوگا وہ بہتر ہی ہوگا، اگر چہ مجھے اس وقت کڑوا لگ رہا ہے، وہ کڑواہٹ کسی حکمت کی وجہ سے آئی ہے۔ وہ نقصان کسی حکمت کی وجہ سے آیا ہے، اللہ حکیم بھی ہے، اللہ قادر بھی ہے، اپنے کاموں کو حکمت سے کرتے ہیں، بعض مرتبہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ کوئی نقصان کی شکل ہو جاوے، حقیقت میں وہ نقصان کی شکل نہیں ہے، لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نقصان کی وجہ سے انہیں آگے ترقی دینی ہے، جیسے علاج کرنے والا بہت سی کھانے پینے کی چیزیں بند کرا دیتا ہے، آپ یہ چیز نہیں کھائیں گے..... یہ چیز نہیں پیئے گے..... آپ یہ کام نہیں کریں گے...... تو یہ چیزیں جو بند کروائی ہیں یہ نقصان نہیں ہے، بلکہ نقصان سے روکنے کے لئے ہے، اور اس کے کرنے میں نقصان ہے، ایسے ہی اللہ کی طرف سے کوئی نعمت گھٹ گئی کوئی تکلیف آ گئی، ہم اللہ کے کام میں ہیں تو یاد رکھو! اللہ تمہاری قربانیوں سے بے خبر نہیں ہے، بلکہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، اس کے حکمت کے تقاضے کی وجہ سے نقصان کی شکل

آئی ہے، پھر یہ بدل جائے گی...... رحمت کی شکل ظاہر ہو جائے گی۔ حکمت سے کرتے ہیں اس لئے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہونا چاہئے:

ایک اللہ کا عارف یہ کہتا ہے کہ اگر خدا حکمت کی وجہ سے کسی نعمت کا دروازہ بند کردے تو گھبراؤ مت۔ حکمت سے بند کی ہے آگے اپنے فضل سے دوسرا دروازہ کھول دیں گے۔ اس لئے حضور ﷺ نے دین کا کام کرنے والوں کو خاص طور سے اس کی تلقین فرمائی ہے، کہ وہ اللہ کا کام اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھ کر کریں، اللہ تعالیٰ ہماری دنیا اور آخرت دونوں بناویں گے، جیسے میں نے کہا کہ دین حق ہے، لیکن ناگوار حالات اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اور وہ ترقی کے لئے ہیں، زوال کے لئے نہیں ہیں، زوال تو نافرمانیوں کی وجہ سے آتا ہے، نعمتیں جو زائل ہوتی ہیں وہ نافرمانیوں کی وجہ سے، دین کی وجہ سے جو تکلیفیں آتی ہیں وہ ترقی کے لئے ہوتی ہیں، ان تکلیفوں کے بعد پھر ان کا معاوضہ دیا جائے گا، ان تکلیفوں کا بدلہ دیا جائے گا۔

جیسے مہاجرین نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، تو بہت نقصان ہوا..... ان کے مال ومتاع سب ختم ہو گئے. اور وہ فقیر ہو گئے. محتاج ہو گئے۔ ان کو قرآن مجید میں فقراء مہاجرین کہا، حالانکہ مالدار تھے، آسودہ حال تھے، لیکن ہجرت کی وجہ سے سب تنگ حالی میں آگئے۔ تو کیا تنگ حالی میں مر گئے؟ تنگ حالی میں نہیں مرے، یہ اللہ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہجرت کی برکتیں آنے والی ہیں؟ پہلے نقصان ہوگا ﴿ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْراً وَسَعَةً﴾ [سورۃ: النساء، آیت: ۱۰۰] جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ مہاجر ہوگا..... وہ اللہ کے راستے میں بڑی وسعت دیکھے گا بڑی کشادگی آئے گی..... تو کشادگی تو آئی نہیں، جو مال تھا وہ چھین لیا

گیا، جو مکانات تھے وہ بھی چھین لیئے...... مشرکین نے مکہ میں فوراً قبضہ کرلیا تھا، تو ظاہر میں نقصان ہوا، اور اللہ کہتے ہیں کہ بڑی کشادگی آئے گی، چنانچہ ہجرت کے پانچ سال کے بعد۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا۔ حالات بدلنے شروع ہوگئے، دینی بھی اور دنیاوی بھی، چھٹے سال سے حالات بدلے، پانچ سال تو کوئی زیادہ نہیں ہیں، حالات بدلنے شروع ہوگئے چھٹا سال..... ساتواں سال.... آٹھویں سال میں بالکل حالات ٹھیک ہوگئے، مکہ معظّمہ فتح ہوگیا، دین غالب آ گیا، اور مہاجرین مالدار ہوگئے...... حدیثوں میں ہے کہ مہاجرین مالدار ہوگئے اور مالداری کی نشانی ؟؟؟ کہ مالداری کی نشانی یہ ہوئی کہ انصار نے ان کی جو مدد یں کی تھیں مکانات دئے تھے، باغات دیئے تھے، معاونتیں کی تھیں وہ ہر ایک نے شکریہ کے ساتھ ان کو واپس کردیا، کہ اب آپ اپنی زمین لے لو، اپنا گھر لے لو ...... اپنا سامان لے لو...... اللہ آپ کو جزائے خیر دے، اللہ نے مجھے مالدار کردیا ہے، یہ بات سیرت میں ہے، کہ تکلیف تو آئی لیکن وہ تکلیف زوال کے لئے نہیں آئی، وہ تکلیف کمال کیلئے آئی، اور یہی قاعدہ ہے، دین کی وجہ سے کوئی نقصان آیا ہے تو وہ ضرور کمال پر لے جائے گا۔

قربانیوں کے ذریعہ بندہ اللہ سے قریب ہوتا ہے:

اللہ بندہ سے قریب ہوتا ہے، اور بندہ اللہ سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، اپنی قربانیوں کے ذریعہ سے، اس لئے قربانیوں کا ابتدائی دور کڑوا ہوتا ہے، پھر بعد کا دور برکات کا ہوتا ہے، رحمتوں کا ہوتا ہے..... مددوں کا ہوتا ہے..... یہ سیرت میں آپ کو ملے گا، ابوہریرہؓ کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ بھوک سے گر جاتے تھے، بے ہوش ہوجاتے تھے، پورے کپڑے نہیں ہیں، ایک ہی چادر ہے وہ لپیٹے ہوئے ہیں، اور گردن پر میل کے بڑے بڑے نشان پڑتے تھے، پھر حالات بدل گئے..... پھر نعمتیں آنی شروع ہوئیں، تو ابوہریرہؓ کا

لباس بدل گیا، کہ وہ خود کہتے تھے کہ واہ! ابو ہریرہؓ اچھے لباس میں ہے، ورنہ میرا لباس تو یہ تھا..... پھر ابو ہریرہؓ کے حالات بدلے! کہ باہر سے جو مہمان آتے تھے مدینہ میں حضور ﷺ کے پاس ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ رات کا کھانا میرے گھر ہوگا، جو دین سیکھنے کے لئے آتے تھے ان کو اپنے گھر کھانا کھلانے کیلئے لے جا رہے ہیں، تو کھانا بھی کھلاتے تھے، اور وہ دین سیکھاتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت بھی کرتے تھے. ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾.

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے:

اس لئے میرے دوستو! یہ بات یاد رکھنے کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّهِ حَقٌّ فَلاتَغُرَّنَّكُمُ الحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلايَغُرَّنَّكُمْ بِاللّه الغَرُوْر﴾ [سورة : فاطر ،آیت:۵]۔اے لوگو یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچ ہے، جن باتوں پر اللہ نے وعدے کئے ہیں وہ ہو کر رہیں گے، اسلئے دنیا کے حالات سے کوئی دھوکہ نہ کھاوے، دنیا میں حالات آتے ہیں، سردی ہوتی ہے.....گرمی ہوتی ہے.....صبح ہوتی ہے.....شام ہوتی ہے.....جوانی ہوتی ہے.....بڑھاپا ہوتا ہے.....حالات تو دنیا میں ہیں ہی.....حالات سے زندگی خالی نہیں ہوتی، دنیا حالات کا گھر ہے اللہ حالات پیدا کرتے ہیں۔

دین کی کمزوری کے نقصانات:

دین کی محنت نہیں ہوگی تو دین کمزور ہو جائے گا، دین کمزور ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تعداد گھٹ جائے گی؟ کہ نہیں! تعداد تو بہت ہوگی، تعداد روز بڑھتی جائیں گی.....ہر چیز بڑھے گی.....دین کمزور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ آخرت کو بھول جائیں گے، ایمان کمزور ہو گیا، دین کمزور ہو گیا، کیا بات ہوئی کہ آخرت کو بھول گئے؟ گویا مرنا ہی نہیں ہے، یہ کمزوری کی نشانی ہے، کہ جب آخرت کو بھول جائیں گے تو آخرت کیلئے کام نہیں کریں گے، یہاں سے پھر مصیبتیں شروع ہو جائیں گی، کیوں کہ نافرمانیاں ہوں گی۔

آخرت بھولنے کے بعد جب نافرمانیاں ہوں گی تو پھر مصیبتیں آویں گی، کیوں کہ ایمان گناہوں کے ساتھ مل جاتا ہے، ایمان بھی ہے .... گناہ بھی ہے ..... جب ایمان گناہوں کے ساتھ ملے گا تو یہ مصیبتوں کو کھینچے گا، جیسے تیل کڑھائی میں کھول رہا ہے اور اندر ٹھنڈا پانی پڑے تو کیا ہوگا کہ بری حالت ہوگی، پانی میں ٹھنڈک ہے، اس میں گرمی ہے، ایمان کی حالت الگ ہے..... گناہ کی حالت الگ ہے، جس طرح کڑھائی میں پانی پڑا تو وہاں آدمی ٹھہر نہیں سکتا، ایسے کڑاکے کی آواز آتی ہے، ایسے ہی ایمان کی تاثیر الگ...... گناہ کی تاثیر الگ...... پانی اچھی چیز ہے لیکن گرم تیل کے لئے نہیں، پانی زمین میں ڈالو تو زمین زندہ ہوجائے گی، ایمان کو اطاعت کے ساتھ ملاؤ تو رحمتیں آجائیں گی، اور ایمان گناہوں میں ملا تو وہ مصیبتوں کے آنے کا ذریعہ بنے گا.

مصیبتیں دلوں کو بے چین کر دیتی ہیں:

مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آئیں گی، اس کی علامت ہے کی وہ دلوں کو بے چین کریں گی، اور جو تکلیف حکم کی وجہ سے آئیگی وہ بے چین نہیں کرے گی، انسان تکلیف میں تو ہوگا..... لیکن بے چین نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسے سمجھو کہ ایک آدمی روزے میں بھوکا ہوتا ہے ......روزے میں پیاسا ہوتا ہے.....تو وہ اپنی بھوک پیاس سے پریشان نہیں ہے، کیوں کہ اس نے روزے کی نیت کر رکھی ہے، شام تک کا معاملہ ہے تو وہ روزہ دار اپنی بھوک پیاس سے پریشان نہیں ہوتا ہے، حالانکہ ہے وہ بھوکا! اور ایک شخص بغیر روزے کے بھوکا ہو.... وہ پریشان ہوتا ہے......بھوک دونوں کو ہے، لیکن ایک کو حکم کی وجہ سے ہے، اور ایک کو اپنی طبیعت کی وجہ سے ہے، تو اسکی بھوک اس کو پریشان کردے گی، کھانے میں تھوڑی دیر ہوگئی ہے تو یہ بیوی سے لڑے گا، اس کی بھوک اس کو بداخلاق بنائے گی، ایمان والے کو روزے کی وجہ سے کوئی تکلیف ہوگئی، تو اس کو بے چینی نہیں ہوتی ہے، یہ فرق ہے دونوں کے درمیان جب تعلق اللہ سے ہے اور اللہ سے تعلق کی وجہ سے مصیبت

آئی ہے تو وہ دلوں کے چین کے ساتھ ہوگی، یہ قاعدہ ہے۔

دین کی محنت میں چین ملتا ہے:

زندگی حکم والی ہونی چاہئے، جو لوگ اللہ کے راستے میں پیدل چلتے ہیں اور پیدل چلنے میں تکلیفیں ہوتی ہیں.... سردی، گرمی، مگر ان کے دلوں پر ایک خاص قسم کا چین ڈالا جاتا ہے، یہ حدیثوں میں ہے کہ اللہ کے دین کی محنت کرو، اللہ کے دین کی محنت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اور اس کی وجہ سے تمہارے دکھ اور پریشانیاں اللہ تعالیٰ اٹھالیں گے۔

پہلے پانی کے راستوں سے ممبئی سے جماعتیں جاتی تھیں، ہوائی جہازوں کا سلسلہ نہیں تھا، لوگوں کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے تو پانی کے راستوں سے جاتے تھے، مولانا محمد یوسفؒ کے زمانے میں خاص طور سے ہمارا سفر پانی کے راستوں سے ہوا، چھاپی کے اجتماع کے بعد آٹھ دس دن پانی میں ممبئی سے بصرہ لائن جاتی تھی، اور بھی لوگ جاتے تھے، کاروباری لوگ اسی راستہ سے ہزار دو ہزار پسنجر، اسی میں مسلمان ہوتے، اور غیر مسلم بھی ہوتے، اس میں جماعتیں بھی چلائی جاتی تھیں..... جماعتیں اس میں اندر اپنا کام کرتی تھیں..... تعلیم ہو رہی ہے.... گشت ہو رہا ہے..... بیان ہو رہا ہے..... اَذان بھی ہو رہی ہے نمازیں بھی ہو رہی ہیں، بعض مرتبہ غیر مسلم ہوتے تھے، تو وہ ہمارے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے ایک جہاز میں ایران کے راستہ سے ایک بار دو آدمی ایک بوڑھے تھے ایک جوان تھے آ رہے تھے، وہ جوان آ کر ہمارے پاس بیٹھے تو وہ بڑا بوڑھا ان سے کہے تو ان کے پاس کیوں بیٹھتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو مجھکو سکون ملتا ہے، تو سکون کی پڑیا ہمارے پاس تو تھی نہیں کہ اس کو سکون کی پڑیا دیویں، کوئی ٹیبلیٹ دیویں..... اصل میں دین حق ہے اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ سچ ہے، کہ ایمان کی

مجلسوں میں ذکر کی مجلسوں میں سکینہ نازل ہوتا ہے، سکون نازل ہوتا ہے، تو ان کو زیادہ محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ وہ دور سے آئے ہیں، تو وہ کہتا تھا کہ میں جب ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو مجھے سکون ملتا ہے، حالانکہ ہم اسکو بلاتے نہیں تھے، وہ خود آ کے بیٹھ جاتا ہے تھا، کیوں کہ بات ہماری حق ہے، نور تو نور ہی ہوتا ہے، خوشبو تو خوشبو ہی ہوتی ہے، کوئی بھی سونگھ لے۔

دین کی محنت سے پریشانیاں ختم ہوتی ہیں:

تو اس لئے کہا کہ دین کی محنت کرو! کہ تمہارا غم پریشانیاں اٹھالی جائیں گی، اور تمہیں سکون دیا جائے گا...... تو تکلیف بھی ہو رہی ہے اور سکون بھی ہے کہ یہ کیا بات ہے؟ کہ تکلیف اللہ کے راستوں کی ہے..... دین کے راستہ کی ہے...... روزے کی وجہ سے بھوک آتی ہے، روزے کی وجہ سے پیاس آئی ہے، تو وہ بے چین نہیں کرتی. کیوں کہ ایک حکم کے ساتھ ہے، تو گناہوں کی تکلیف الگ ہے، نافرمانیوں کی تکلیف الگ ہے، اور ایمان اور دین کی تکلیف الگ ہے، دونوں تکلیفوں کا ایک معیار نہیں ہے..... جب ایمان کے ساتھ رہیں گے تو ایمان کے راستہ میں کوئی تکلیف آ گئی.... تو وہ اندر کے سکون اور چین کے ساتھ آئے گی، کیوں کہ ہر ذکر چین دیتا ہے، اور اللہ کی اطاعت کا ہر کام چین کہلاتا ہے..... **کل مطیع ذاکر** ہر آدمی جو اللہ کی اطاعت میں ہے وہ اللہ کے ذکر میں ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے، تو اس ذکر کی وجہ سے..... اس حکم کی وجہ سے..... سکون دیا جائے گا،

دین کی محنت کی برکتیں:

تو دنیا میں یہ نقد برکتیں ہیں، اس لئے میرے دوستو! اللہ کا کام ہے..... یہ اللہ کا دین ہے..... دنیا و آخرت کی خیر لے کر اللہ نے جناب رسول ﷺ کو بھیج دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا و آخرت کی خیر لے کر مجھے بھیجا گیا ہے، اسلئے دنیا و آخرت کی خیر اللہ

کے راستہ میں....... اور اللہ کے دین میں ہے...... اس محنت کے ذریعہ یہی چاہا جاتا ہے کہ ہماری سو فیصد زندگی اللہ کے حکموں والی بنے، ہمارا تاجر حکموں والا......ہمارا زمیندار حکموں والا....... ہمارا مزدور حکموں والا...... ہمارا مالدار حکموں والا......ہمارا غریب حکموں والا.......اس لئے سب کو دعوت دی جارہی ہے، سب کو یہ بات سکھائی جارہی ہے، تاکہ جو جس حال میں ہے وہ اس حال کے حکم کے اعتبار سے زندگی گزارے، اللہ اس کو اسی حال میں کامیاب کرے گا،غریب کو مالدار بنا کر نہیں! بلکہ غریب کو غریبی میں ہی کامیاب کریگا۔ بیمار اگر حکموں والا ہے تو وہ بیماری میں کامیاب ہے، عمران ابن حصین بیمار رہتے تھے،تو اکثر وہ کوئی نہ کوئی بیماری کے مسائل پوچھتے رہتے تھے، نماز کیسے پڑھوں؟ بیماری کے مسائل پوچھتے تھے، روایتوں میں ہے کہ فرشتے ان کی بیمار پرسی کیلئے آتے تھے، کہ عمران بن حصین بیمار ہیں......ان کی بیماری نے ان کو کتنا اونچا کر دیا.....کہ ملائکہ آتے تھے، یہ بیماری میں کامیاب ہیں،

دیندار ہر حال میں کامیاب ہے:

تو کوئی حال ہمیں ناکام نہیں بناوے گا، میرے دوستو! بشرطیکہ ہماری زندگی میں دین ہو...... اس لئے یہ محنت کرائی جارہی ہے کہ اپنی زندگی کو دین پر لاؤ! تھوڑی تکلیف ہوگی...... ناگواریاں ہوں گی....... صبر کریں گے..... مدد آئے گی...... شکر کریں گے.....نعمت بڑھے گی......یہ کام بھلائی چاہنے کا کام ہے....... دین کے ذریعہ سے ہم اپنا بھی بھلا چاہیں گے اور دوسروں کا بھی بھلا چاہیں گے، کہ ہمارے دین کے ذریعہ دوسروں کا بھی بھلا ہو جاوے دوسروں کو بھی خیر مل جاوے۔ یہ بندے مبارک ہیں جو دوسروں کے خیر کا ذریعہ بنتے ہیں" طُوبٰی لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰه مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَ مِغْلَاقًا لِلشَّر" [رواہ ابن ماجہ، باب من کان مفتاحا للخیر / حدیث نمبر:۲۳۸] خوش نصیب ہیں وہ بندے کہ جو اپنے آپ کو اپنے خیر کا ذریعہ بناویں....ہمارے ہاتھوں سے خیر پھیلے....... ہمارے ہاتھوں سے شر اور بدی مٹے...... انکو مبارکباد دی ہے......کہ

خوش نصیب ہے وہ بندہ کہ جس کو اللہ خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بناوے شر، اور برائی، اور بدی، کے مٹنے کا ذریعہ بناوے.....اس محنت کا یہی اثر ہے.اور دین کی جتنی محنتیں ہیں سب کا یہ اثر ہے کہ خیر آوے گی، شر مٹے گا، ایمان آوے گا، گناہ نکل جائیں گے، یہ ایک بنیادی محنت ہے، میرے دوستوں یہ محنت وجود میں آتی ہے تو دین کے سارے کام زندہ ہونے کی امیدیں ہوتی ہیں، یہ پانی کی طرح سے ہے، اگر پانی زمین کو مل گیا تو ہر چیز اگے گی.

یہ محنت بارش کی طرح ہے:

یہ بنیادی محنت ہے، کہ تمام دینی شعبوں کو پانی ملتا ہے، اس لئے اس محنت کو عمومیت کے ساتھ کرایا جاتا ہے، ہر گھر میں..... ہر محلے میں..... ہر مسجد میں..... ہر شہر میں.... ہر ملک میں محنت ہے، کیوں کہ حضور ﷺ کا دنیا میں آنا وہ بارش کے پانی کی طرح سے ہے، حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا، اور جو نور ہدایت اللہ نے مجھے دیا ہے وہ بارش کے پانی کے طرح سے ہے۔ بارش کے پانی کے بغیر حیات نہیں ہے۔ اگر بارش کا پانی رک جائے گا تو لوگ مر جائیں گے، جانور بھی مر جائیں گے اور پانی برس گیا آباد ہو جائیں گے، ایسی دو باتیں اللہ کے رسول ﷺ لے کر آئے ہیں، اس سے دنیا والے کامیاب ہو جائیں گے، اگر یہ نہیں ہے لوگ نامراد ہو جائیں گے۔ اس لئے اس یقین کے ساتھ میرے بھائیو! اس کام کو کرنا ہے کہ اللہ نے ہماری اور آپ کی کامیابیاں اپنے دین میں رکھ دی ہے۔ ہم دین کی محنت کریں گے اور خیر کا ذریعہ بنیں گے، تو دنیا میں اللہ برکتیں بھی دے گا.....اور آخرت کو اللہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بنائیں گے.... اور آخرت کے لئے کرنا ہے، اس کے لئے ارادے کرو! اور اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرو!۔

☆☆☆☆☆
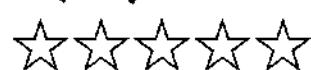
بیان نمبر (۳)

ایمان وعلم
اللہ تعالی
کی بڑی نعمتیں ہیں

﴿فجر بعد علماء میں/نلور اجتماع ،۱۶/۰۲/۲۰۱۴﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً،أما بعد !

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أنْ لَا تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيائُكُمْ فِى الحَيوةِ الدُّنْيا وَفِى الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إنَّنِى مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾ [سورۃ: فصلت،آیت:۳۳]. صدق الله العظيم.

میرے بزرگواور پیارے بھائیو!

حق تعالیٰ شانہ نے آپ حضرات پر بہت خصوصی کرم فرمایا ہے کہ آپ حضرات کو ایمان کے ساتھ علم کی دولت عطا فرمائی، اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دو ہی بڑی چیزیں ہیں، ایک ایمان اور دوسرا علم......ان دونوں نعمتوں سے حق تعالیٰ شانہ نے آپ حضرات کو سرفراز فرمایا، اوراپنے کام کیلئے منتخب فرمادیا......خیر کا ذریعہ بنایا" طُوبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّه مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَمِغْلاقًا لِلشَّر "[رواه ابن ماجه، باب من كان مفتاحا للخير/ حدیث نمبر:۲۳۸] خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو اللہ خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بناوے، صبح شام آپ لوگ خیر پھیلاتے ہیں..... علم

دیتے ہیں...... علم لیتے ہیں...... ایمان کو پانی ملتا ہے، دین کو پانی ملتا ہے، اس لئے ان لوگوں کے لئے یہ بشارت ہے، کہ " طُوبٰی لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰه مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ وَمِغْلَاقًا لِلشَّر "خوش نصیب ہیں وہ جن کو خیر کے پھیلنے کا...شر کے مٹنے کا ذریعہ بنایا، روشنی کے پھیلانے کا اور اندھیرے کے مٹانے کا ذریعہ بنایا، جنہیں رہبری نصیب فرمائی اور راستہ دکھانے کیلئے توفیق عطا فرمائی۔

علماء کی تعظیم:

ان احسانوں کو بار بار سوچنا ہے کیوں کہ اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے، ایمان ہے..... اور علم ہے، ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجَات﴾ [سورۃ: المجادلہ/۱۱] اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو رفعت دیتے ہیں پھر ایمان والوں میں سے علم والوں کو رفعت دیتے ہیں، ان کے درجات بلند کرتے ہیں، اللہ کے یہاں ان کا اعزاز واکرام اتنا ہے کہ کوئی اگر عالم کی تعظیم نہیں کرتا تو وہ نبی کے گروپ میں نہیں ہے، انہیں نکال دیا...... اور قیامت کی علامتوں میں قرار دیا، کیوں کہ اللہ کے یہاں علم کی بڑی قدر ہے، ایمان کی بڑی قدر ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ انہیں بلندی دیتے ہیں...... انہیں خیر کا ذریعہ بناتے ہیں، امام سیوطیؒ نے حدیث نقل کی ہے "أَكْرِمُوْا الْعُلَمَاء فَإِنَّهم وَرَثَةُ الأَنْبِيَاء" [ابن عساکر عن ابن عباس/ وفی کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال: حدیث نمبر: ۲۸۷۶۴/۲۸۷۶۵] عوام سے بھی کہا گیا اور ان سے آپس میں بھی کہا گیا، کہ اپنے علماء کی عزت کرو، ان کی رہبری حاصل کرنا ان کی عزت کرنا بڑی بات ہے، کیوں کہ وہ نبیوں کے وارث ہیں، جیسا نبی کی تعظیم توقیر کی جاتی ہے ایسے ہی اہل علم کی تعظیم وتوقیر کی جائے گی، اللہ تعالیٰ انکی تعظیم و توقیر کو قیامت میں بڑھائیں گے۔

علماء کی سفارش:

حدیث میں ہے کہ علماء کو جنت میں جانے سے پہلے فرمائیں گے رک جاؤ! ابھی رکو! جن جن لوگوں کی سفارش کرنی ہے، انکی سفارش کرو! انکی سفارش کر کے پھر جاؤ!!! تو انبیاء کرام کو سفارش کا حق دیں گے...... شہداء کو سفارش کا حق دیں گے...... اور علماء کو سفارش کا حق دیں گے..... یہ سب اکرام علم کی وجہ سے ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ علم کو حاصل کیا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ انکا اکرام کریں گے، فرشتے انکا اکرام کرتے ہیں، ''إنَّ اللّٰهَ وَمَلائكَتَهُ لَيُصَلُّوْنَ عَلى مُعَلِّمِ النَّاسِ الخيرَ'' کہ جو خیر سکھاتے ہیں خیر کی تعلیم دیتے ہیں اللہ ان پر رحمتیں نازل کرتے ہیں، اور ملائکہ انکے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، اور جو سیکھتے ہیں انکے پاس انکے لئے زمین کی اور خشکی اور سمندر کی مخلوق استغفار کرتی ہیں، مخلوق انکے لئے استغفار میں ہے، مخلوق انکے لئے رحمت کی دعاؤں میں ہے..... یہ سب اس علم کی برکت ہے، یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

نبی کو اولین وآخرین کا علم دیا گیا:

کیوں کہ اس علم کی غایت بڑی ہے، جو علم انکو دیا گیا ہے وہ آسمان سے آیا ہے، اور اللہ کی صفت علم کا پرتو ہے...... اللہ علیم ہے...... اللہ نے اپنے نبی کو علم دیا ہے، اور کتنا علم دیا؟ اولین اور آخرین کا علم آپکو دیا گیا۔

شیخ سعدی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آدمؑ کی الف سے لیکر مسیح ابن مریم کی میم تک۔ مسیح ابن مریم بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ تمام علوم آپ کو دیئے گئے ﴿عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْکَ عَظِيْماً﴾ [النساء: آیت/۱۱۳] کہ آپ ﷺ کو ان تمام باتوں کا علم دیا گیا ہے، جو آپ ﷺ نہیں جانتے، آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے، علم تک پہونچنا یہ اللہ کا فضل خصوصی ہے، علم کا ملنا اللہ کا خصوصی فضل حاصل

ہوگیا....... اس لئے اپنے فضل کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے ﴿ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْماً ﴾.

علم کی غایت:

علم بڑی نعمت ہے، کیوں کہ اس کی بڑی غایت ہے، اس کی کیا غایت ہے؟؟؟ کہ وہ اللہ کے حقوق کی معرفت کے لئے دیا گیا ہے، اور کسی کام کے لئے نہیں دیا گیا ہے، دنیا سازی کے لئے فنون ہیں، وہ علوم نہیں ہیں، تجربات کے نتیجہ سے بنائے ہیں، اس میں تغیر وتبدیلی بھی ہوسکتی ہے..... کیوں کہ وہ دماغوں کی اور تجربوں کی پرورش ہے،،، یہ اللہ کا علم ہے، جو اللہ نے اتارا ہے یہ غیر منسوخ ہے، اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہے، یہ حق ہے..... ﴿هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدَی وَدِیْنِ الْحَقِ﴾ [التوبه، آیت ۳۲۰، الفتح: ۸۲، الصف: ۹] یہ حق کے ساتھ آیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، غیر منسوخ ہے.......اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی...... بس یہ پورا پورا علم حضور ﷺ کو دیا گیا کمیت کے اعتبار سے بھی...... کیفیت کے اعتبار سے بھی...... ایمانیات کا پورا علم دیا گیا...... عبادات کا پورا علم دیا گیا...... معاشرت کا پوار علم دیا گیا...... معاملات کا پورا علم دیا گیا...... اخلاقیات کا پورا علم دیا گیا...... یہاں تک کہ دین کو پورا کر کے بتا دیا۔

اللہ تعالیٰ علم کو باقی رکھیں گے:

یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں علم پورا پورا اتارا......پھر اس علم کو اللہ مٹنے نہیں دیں گے، اللہ نے جیسے قرآن شریف کے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، یہ محفوظ رہے گا، جب بھی لوگ اس سے ہدایت لینا چاہیں گے اس سے لینگے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بڑے علماء میں سے ہیں، حلال وحرام اور شریعت کے زیادہ جاننے والے

ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایمان اور علم اللہ باقی رکھیں گے، جب اس کی تلاش کے لئے لوگ نکلیں گے..... جب لوگ اسے تلاش کریں گے اللہ انکو دے دیں گے، اور مثال دی، کہ جیسے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس زمانہ میں توحید کا علم اپنی قدرت سے دیا، ابراہیمؑ کے یہاں پورا ماحول شرک کا تھا، لوگ ستاروں کی عبادت کرتے تھے، اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس شرک کے ماحول میں ابراہیمؑ کو توحید کا علم اللہ نے دیا۔

﴿وکذلک نری ابراھیم مکوت السموات والأرض ولیکون من المؤمنین﴾ [سورۃ: انعام، آیت:۷۵] اللہ نے جیسے ابراہیمؑ کو شرک کے ماحول میں توحید کا علم دیا اسی طرح اس علم ......اس ایمان کو اللہ تعالیٰ باقی رکھیں گے، کسی بھی زمانہ میں لوگ اسے تلاش کریں گے، اللہ انہیں دے دیں گے، یہ الگ بات ہے کہ لوگ اسے تلاش نہ کریں...... اور دنیا میں لگ جاویں تو یہ انکا اعراض ہے......اور اعراض کی وجہ سے محروم ہونگے۔

اور اعراض تو محرومی لاتا ہی ہے....... باقی اس کو اللہ زندہ رکھیں گے، اور جب اس کو تلاش کرنیوالے کھڑے ہونگے اللہ انہیں دے دیں گے۔

علماء کا وجود معجزہ:

اللہ تعالیٰ اس ملت میں ایسے علماء پیدا کریں جو مٹی ہوئی سنتوں کو......مٹی ہوئی تحریکوں کو زندہ کریں گے، قرآن کا صحیح مطلوب اور صحیح مدلول بتائیں گے، یہ حدیثوں میں ہے، کہ علماء باطل کی غلط تاویلات کو صاف کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایسے علماء پیدا کریں گے!!! کیوں کہ اللہ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں، اس امت پر اللہ کا خصوصی فضل ہے، اس وجہ سے ایسے علماء پیدا کریں گے...... بعض حدیثوں میں صراحت ہے کہ ہر سو سال کے بعد اللہ ایسے شخص کو پیدا کریں گے کہ جو مذہب کی تجدید کریں گے، مجدد

ہونگے، ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے، اس کے نگہبان پیدا کریں گے، اللہ جس طرح قرآن کی نگہبانی کرتے ہیں، قرآن کا مطلب سمجھنے والے..... سمجھانے والے..... امت کی رہبری کرنے والے..... حدود قیود کی رعایت کرنے والے...... علماء پیدا کریں گے، اسی طرح اپنے نبی کی سنتوں کو صحیح طور پر پیش کریں گے، جو اس پر غبار آیا ہے اس کو ہٹائیں گے، جیسے قرآن پاک معجزہ ہے، ایسے ہی علماء کا وجود اس امت میں حضور ﷺ کا معجزہ ہے، ایسے ایسے لوگ پیدا کریں گے کہ عقل حیران ہیں، یہ کیسے ہوگیا؟ آپ کتابیں پڑھتے ہیں، ان میں دیکھیں گے کہ کیسے کیسے لوگ پیدا کئے..... اور عرب میں عجم میں پیدا کئے۔

امام بخاریؒ عجمی تھے:

امام بخاریؒ کو عجم سے پیدا کیا..... اتنے بڑے علم کے وہ وارث ہیں!!! اور ان کی عربی زبان نہیں ہے، لیکن سب کا امام بنادیا، ان کی کتاب کو اللہ کی کتاب کے بعد سب سے بڑی کتاب بنادیا، کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں کو..... حدیثوں کو زندہ کرنے کے لئے کوشش کی، ان کے سینے میں لاکھوں حدیثیں محفوظ رہتی ہیں، اب تو لوگ مشینوں سے کام لیتے ہیں، بخاری شریف بے مثال کتاب...... آدمی سوچ نہیں سکتا..... غیر عرب ہیں..... سب ان سے خوشہ چینی کرتے ہیں، سب ان سے لیتے ہیں،، رواہ البخاری ھٰکذا... سب کہیں گے...... بخاری نے یہ روایت کی ہے، مسلم نے یہ روایت کی ہے، پھر اس حدیث کی خدمت کرنے والے پیدا کئے...... اس کی شرح کرنے والے پیدا کئے..... کہ انہوں نے حدیث کو شرح کر کے پیش کی ہے، درایت بھی روایت بھی...... یہ سب علماء خدمت کرنے لئے پیدا کئے۔

امام راغب اصفہانی:

اسی طرح آپ نے نام سنا ہوگا قرآن کے مفردات کا! یعنی قرآن کی لغت ..... اس کی تشریح کرنے کے لئے راغب اصفہانی کو اللہ نے پیدا کیا ، یہ اصفہان کے ہیں، اصفہان ایران میں ہے، اوران کی کتاب مفردات القرآن مشہور مرجع ہے، اور یہ شخص رہنے والا کہاں کا؟ ایران کا...... وہ قرآن کے الفاظ کی تشریح کررہا ہے، کہ ''کلمہ'' اس معنی میں ہے.... یہ کلمہ اس معنی میں ہے، آپ دیکھیں گے ان کو کہ یہ غیر عربی ہیں، اور اللہ کے عربی کلام کی تشریح کررہے ہیں......ان کلمات کا مطلب یہ ہے، اور قرآن میں یہ لفظ اتنی مرتبہ آیا ہے..... ویخلق مالا تعلمون ایسے ایسے پیدا کریں گے تم جانتے نہیں ہو، انہوں نے امت کی خدمت کی...... خالی شہرت حاصل نہیں کی ہے......وقت کی ضرورت پوری کی ہے، اس وقت امت کو کس چیز کی ضرورت ہے۔

شیخ محمد طاہر پٹنی:

یہ شیخ محمد طاہر پٹنی گجرات کے ہیں، انہوں نے حدیث کی لغات کی شرح پانچ جلدوں میں کی ہے، یہ گجرات کے محدث تھے....اکبر کے زمانے کے ہیں......دیکھنا ان کی لغات حدیث میں کیسی خدمت ہے!!! حدیث کی لغت کا یہ مطلب ہے، حدیث کے احکام یہ ہیں، اس لئے علماء نے فرمایا کہ اس امت میں علماء کا وجود ایک معجزہ ہے، اللہ کی بڑی قدرت ہے..... حضور ﷺ کا یہ معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ایسے لوگ پیدا کریں گے جو امت کی خدمت کریں گے آنے والی پریشانیوں کو دور کریں گے، تکلیفیں اٹھاویں گے۔

شاہ ولی اللہ کا مقام:

معاشرہ بگڑ گیا تو معاشرہ کی اصلاح کے لئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو پیدا کیا ، ہندوستان کا معاشرہ جو دینی وعلمی نظر آتا ہے، یہ انکا احسان ہے.... انہیں کی روایت ہمارے پاس ہے..... حدیث کی روایت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے جا کر ملتی ہے۔

علماء کو اللہ نے غیر معمولی نعمت عطا فرمائی ہے:

جو چیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ غیر معمولی ہے، کیوں کہ اس میں اللہ بڑی بڑی قدرت ظاہر کر چکا ہے، اللہ نے انکے ذریعہ سے دین کی نصرت کی ہے، علم کو زندہ کیا..... سنتوں کو زندہ کیا..... صحیح معاشرہ کو وجود میں لائے...... پھر جب جب کوئی بگاڑ آیا تو اسی لائن کا آدمی پیدا کیا، شعیبؑ کو پیدا کیا...... جب ان کی قوم میں ناپ تول اور عقیدے میں بگاڑ آیا، تو ان کو ناپ تول کی کمی اور عقیدہ کی اصلاح کے لئے پیدا کیا، تاجروں کو ٹھیک کرو! ان کی تجارت بگڑ گئی ہے، ان کا عقیدہ بگڑا ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو باطل کے مقابلے میں پیدا کیا:

موسیٰؑ کو فرعون اور اسکی قوم کے لئے پیدا کیا، ان کا عقیدہ بگڑا ہوا ہے، ان کا اقتدار بگڑا ہے، ان کو ٹھیک کرو! انبیاء کو باطل کے مقابلہ میں پیدا کیا، ایسے ہی جب کوئی بگاڑ آیا تو اللہ نے اپنی قدرت سے اس کے مصلح پیدا کر دیئے، تا کہ وہ معاشرہ کو صحیح رخ پر لاویں.....اور دنیا کو زندہ کریں، اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ علماء کا وجود اس امت میں حضور ﷺ کا معجزہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم معجزہ ہے، ویسے ہی اسکو سمجھنے والے اس سے نور لے کر دوسرے کو روشنی دینے والے ہیں۔

کتاب اور سنت رہبری کے لئے دی گئیں، دوسرے دنیا کے علوم دنیا کی ترقی کے لئے ہیں، اسی لئے جو علم ہم کو دیا گیا یہ حقوق کی معرفت کے لئے دیا گیا ہے، اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ حضرت معاذ بن جبلؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا معاذ آپ کو معلوم ہے اللہ کا کیا حق ہے؟ عرض کیا! میں کیا جانوں؟ فرمایا اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو! اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو! تو علم حقوق کی معرفت کیلئے ہے، کیوں کہ اللہ نے دنیا کو دار الحقوق قرار دیا ہے۔ دنیا شہوتوں کی جگہ نہیں، خواہشات کی جگہ نہیں ہے، یہ حقوق کو ادا کرنے کی

جگہ ہے، آخرت کو دار الا جور بنایا ہے، وہاں اجر اور بدلہ دیا جائے گا..... جو یہاں حق ادا کر کے آوے گا وہ وہاں بدلہ پائے گا.... اور جو حق ادا کر کے نہیں آئے گا وہ حقوق میں گرفتار ہوگا۔

انسانوں اور حیوانوں میں فرق:

یہ دنیا دار الحقوق ہے، یہاں تعلقات پیدا ہوتے ہیں..... جتنے تعلقات پیدا ہوں گے اتنے حقوق آئیں گے...... بغیر تعلق کے دنیا نہیں ہوتی ہے.....انسانوں میں اور حیوانوں میں یہی فرق ہے، حیوانوں میں آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے.... اصول فقہ میں ہے جیسا آپ لوگوں نے پڑھا ہے ''بقاء باہم'' جانوروں میں نہیں ہے، انسانوں میں ہے، انکا ایک دوسرے کا تعلق ایک دوسرے کی وجہ سے ہے، اسلئے ان پر حقوق عائد ہوں گے......بال کٹوانے والے کو بال کٹوانے کی ضرورت ہے......اور بال کاٹنے والے کو پیسوں کی ضرورت ہے، کپڑے والے کو کپڑے سلانے کی ضرورت ہے.....اور درزی کو پیسے کی ضرورت ہے..... یہ ہے بقاء باہم......اس لئے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، حق ادا کرے، حق لے، حق دے، یہی اس علم کی غایت ہے۔

زیادتیاں کب ہوتی ہیں؟

اسلئے جتنے تعلقات اتنے حقوق، اگر ان تعلقات کے حقوق کی رعایت نہیں ہوگی تو پھر زیادتیاں ہونگی...... ظلم ہوں گے.....خیانتیں ہونگی.....اور حقوق برباد ہوں گے..... تو اس فساد کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے علم کی روشنی دی ہے، تاکہ ٹکراؤ نہ ہو، روشنی میں ٹکراؤ نہیں ہوتا، اندھیرا ہوتا ہے تو ٹکراتے ہیں، روشنی دی ہے تاکہ روشنی میں چلتے رہیں، وہ روشنی حقوق کی ادائیگی کی ہے، اسی کے لئے نبی آتے ہیں، کہ ہر آدمی کو اپنی ضرورت یاد رہے، اور اس میں حق کیا ہے ناحق کیا ہے؟.... یہ علم کی خاصیت ہے، یہ علم عدل وانصاف

ہے...... یہ احسان ہے، انصاف بھی کرو، احسان بھی کرو! تا کہ معاشرے میں فساد برپا نہ ہو، اور احسان کی وجہ سے انکے تعلقات صحیح ہو جائیں، یہ اللہ کا حکم ہے ﴿إِنَّ اللّٰہ یَأمُرُ بِالعَدْلِ والإحْسَانِ وإِیتَاءِ ذِی القُربی﴾ [النحل :۹۰] کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں، رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتے ہیں۔

دنیا حقوق کی ادائیگی کے لئے ہے:

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ دنیا دار الحقوق ہے، اور اللہ تعالیٰ حقوق کی ادائیگی کے لئے دنیا میں اپنے رسولوں کو بھیجتے ہیں، تا کہ وہ اللہ کا حق بتاویں، سب سے پہلے اللہ کا!!! اور وہ ہے اللہ کو "اللہ" ماننا، جیسے وہ اپنی شان وصفات کے ساتھ ہے، اور اس کے تمام احکام کو تسلیم کرنا، جیسے اس کے احکام ہیں، سب سے پہلے اسی کی دعوت...... سب سے پہلے اسی کی تعلیم .... لوگ اللہ سے جڑ جاویں، ہر نبی کی آواز تھی ﴿یَاقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ إلٰہٍ غَیْرُہ﴾ [الأعرف: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵، ہود، ۵، ۶۱، ۸۴] اے میری! قوم ایک اللہ کی عبادت پر آ جاؤ، تمھارے لئے کوئی دوسرا معبود نہیں، کوئی دوسرا کارساز نہیں ہے، رسول سب کے لئے..... اللہ بھی سب کے لئے...... معبود برحق، حیات اور موت کا مالک ہے..... اور حیات اور موت کے درمیان جتنے مسائل ہیں ان کا بھی مالک.... ایسے ہی سب کے لئے، ایک رسول آخر میں آیا ﴿قُلْ یَاأَیُّھَا النَّاس إنِّی رَسُولُ اللّٰہِ إلَیْکُمْ جَمِیْعاً الذِی لَہُ مُلْکُ السَّمٰوَاتِ والأَرْضِ﴾ [الأعراف: ۱۵۸] ایک ہی راستہ سب کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس راستہ کو کشادہ کیا گیا تنگی ختم کردی ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّینِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [سورۃ الحج: ۷] اسکی تکمیل کے لئے یہ سارے علوم آئے ہیں۔

دین کی سمجھ اللہ کا بڑا انعام ہے:

اللہ جسکے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرینگے اسکو دین کی سمجھ دیں گے، حدیث شریف میں ہے "مَنْ يُرِدِ اللّٰه بِهِ خَيْراً يُفَقِّهُهُ فِي الدِّينِ" [مسند أحمد بن حنبل/ حدیث نمبر: ۱۶۸۳۷] اللہ جسکے ساتھ خیر کا ارادہ کرے گا اسے اپنے دین کی سمجھ دے گا، تو دین کی سمجھ مل جانا اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے، دین کے بارے میں سمجھ کسی کو مل جاوے وہ سعید ہے...... وہ خوش نصیب ہے...... باقی یہ سمجھنا پڑے گا کہ ہمکو یہ نعمت کیوں ملی ہے؟ تو نعمت حقوق کی ادائیگی کے لئے ہے، حقوق کی پاسبانی کے لئے ہے، اسلئے اس علم کو امانت قرار دیا ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے، کوئی اس میں ملاوٹ نہ کرے..... کوئی غلط بیانی نہ کرے.... اپنے خیالات سے رہبری نہ کرے.... بلکہ حق کی رہبری کرے، اس لئے اس علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا۔

علم دین امانت ہے:

دین کے جو کام فرض ہیں انکا علم فرض ہے، جو واجب ہیں انکا علم واجب ہے، اس کے بغیر صحیح بات سامنے نہیں آئے گی، لوگ اپنے اپنے خیالات سے رجوع کریں گے، صحیح علم حاصل کرلو، حضرت عمرؓ لوگوں سے فرماتے تھے "تَفَقَّهُوْا قَبْلَ أَنْ تسودوا" [شعب الإيمان، باب طلب العلم، حدیث نمبر: ۱۵۴۹] لوگ تمہیں اپنا بڑا بناویں اپنا رہبر ذمہ دار بناویں اس سے پہلے دین کا علم حاصل کرلو، کیوں کہ یہ امانت ہے، جسکے سلسلے میں ہے کہ انھوں نے صحیح حدیث دی...... صحیح حدیث لی..... ذرا سا بھی خطرہ آیا نہیں لی..... ذرا بھی شک کہ نہیں یہ نہیں لیں گے...... اس سے حدیث نہیں لینی ہے، یہ آدمی ثقہ نہیں ہے، یہ صحیح آدمی نہیں ہے، یہ معتبر نہیں ہے! اسکے قصے کتابوں میں ہیں، ایک محدث کا گھوڑا بھاگ گیا اب اسکو بلا رہے ہیں آؤ آؤ اور انکے پاس تو برا ہے جس پر وہ

دانہ ڈالتے تھے، تو برا دکھا رہے ہیں گھوڑے کو، آؤ آؤ مگر تو برے میں دانے ہیں نہیں، تو جب ان کو دیکھا کہ گھوڑے کو بلا رہے ہیں اور برے میں دانے نہیں ہیں، تو کہا گھوڑے کو دھوکہ دے رہے ہیں، جو گھوڑے کو دھوکہ دے..... اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ تو انسان کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے، اس سے حدیث نہیں لیں گے، اسکا کوئی بھروسہ نہیں۔

ایسے میں ناپ تول کر کے ایمانداری کو سامنے رکھا، حضور ﷺ کی امانت داری اور سچائی نبوت سے پہلے ظاہر ہوئی، نبوت کے بعد نہیں، نبوت بعد میں ملی..... اور آپکا صدق اور امانت داری پہلے ظاہر ہوئی ہے، یہ بنیاد ہے۔

طالب علم کے ساتھ اچھا سلوک کریں:

یہ دین اور یہ علم اللہ کی امانت ہے، یہ کسی کا ورثہ نہیں ہے، کسی کا حق نہیں ہے، جو لے اسکا حق ہے، ''فمن أخذه أخذ بحظ وافر''[أبو داؤد، باب الحث علی طلب العلم، حدیث نمبر:۳۶۴۳] حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لیا اس نے بڑی چیز لی، بڑا حصہ لے لیا، نبیوں کی وراثت ہے...... جو لیگا اللہ اسکو اوپر لاویں گے..... کوئی بھی لے، اس میں امانتداری ہے، اسلئے اسکو امانتداری سے لیا جائیگا، امانتداری سے دیا بھی جائیگا، حق حقدار کو دیا جائیگا..... جو پوچھنے کے لئے آوے جو سیکھنے کے لئے آوے انکا حق پہلا، کیونکہ یہ پوچھنے آیا ہے.....سیکھنے آیا ہے...... حضور ﷺ نے وفات سے پہلے صحابہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ دین سیکھنے کے لئے آئیں گے، تو میں انکے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان سے بھلائی کرنا..... انھیں دین سکھانا...... انہیں دین کا علم دینا، انکے ساتھ سلوک کرنا۔

علم سے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے:

عبداللہ ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں بڑے عالم تھے، بحر العلوم، حبر الأمة یہ انکے

لقب ہیں، تو لوگ انکے پاس دین سیکھنے کے لئے آتے تھے، اپنے کمرے میں اپنے گھر میں بٹھا کر انکو درس دیتے تھے.... یہ حدیث کے لئے آئے ہیں.... یہ تفسیر کے لئے آئے ہیں.... انکو تفسیر کا درس دیتے تھے..... یہ تاریخ کے لئے آئے ہیں...... تو انکو تاریخ کا علم دیتے تھے..... یہ میراث کے لئے آئے، میراث کا علم معلوم کرنے والے ہیں..... تو انکو میراث کے مسائل بتاتے تھے...... ہر ہر جماعت کو ہر ہر قافلے کو، جو قافلہ جس علم کے لئے آیا ہے اسکا علم لیا، جب وہ فارغ ہوگیا، تو دوسرے دروازے سے باہر ہوگیا، دوسرے قافلہ کو بلاؤ، تو انکے دوسرے بھائی باہر کھڑے رہتے تھے، فضل ابن عباس عبداللہ ابن عباسؓ کے بھائی ہیں، یہ بھائی کے پاس سے آئے ہیں کیا آپ کا درس ہوگیا ؟ کہ ایک بھائی درس دے رہا ہے ایک بھائی خدمت کرر ہا ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی وصیت تھی کہ انکے ساتھ اچھا سلوک کرنا یہ دین سیکھنے کے لئے آئینگے، اور کوئی انکی غرض نہیں ہے.... اللہ کے یہاں طالب علم کا جو مقام ہے وہ مقام اجاگر کیا، یہ اس وجہ سے کہ امانت ہے، تو ساری بات چیت اس بات کی دلیل بنتی ہے کہ علم کی اللہ کے نزدیک اہمیت ہے، کیوں اہمیت ہے؟ اس لئے کہ اس سے اللہ کے حقوق کی معرفت حاصل ہوگی۔

علم والا اپنے آپ کو علم کے تابع کرے:

اللہ بڑے ہیں، اور اللہ کی بڑائی دل میں اس علم کے آنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے، اسلئے اللہ سے ڈرنے والے، علماء ہوتے ہیں ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [سورۃ: الفاطر، آیت:۲۸] کہ انکے دلوں میں اللہ کی عظمت اللہ کی بڑائی ہوتی ہے وہ اللہ کی شان سے.....صفات سے...... واقف ہوتے ہیں، اسلئے وہ اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں، سب سے زیادہ ڈرنے والے یہی لوگ ہیں، محمد ﷺ

فرماتے ہیں ’’ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ‘‘ [صحیح البخاری، باب الترغیب في النكاح، حدیث نمبر:۴۷۷۶] میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، یہی اثر ہے اس علم کا کہ جو جتنا زیادہ اللہ کو پہچانتا ہے وہ اتنا زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والا کوئی بھی نہیں ہے، آپ ﷺ سے زیادہ علم کسی کے پاس نہیں ہے، تو آپ ﷺ سے زیادہ ڈرنے والا بھی کوئی نہیں ہے...... یہ اس علم کا اثر ہے..... علم والے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں..... پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں، یہ کب ہے؟ جب اپنے آپکو علم کا تابع کیا جائے، یہ پہلی ذمہ داری ہے، کہ ہر علم والا اپنے آپکو اپنے علم کا تابع کرے...... دنیا میں ہر قانون جاننے والا اپنے آپ کو اس قانون کے تابع کرتا ہے...... گاڑی چلانے والا اپنے آپکو اصول و قانون کے تابع بناتا ہے..... اسکے حساب سے گاڑی چلاتا ہے..... نہیں تو گاڑی ٹوٹ جاوے، اور خراب ہو جاوے...... یہ گاڑی چلانے کے اصول ہیں، پولس کے اصول ہیں...... وہ اپنے آپکو ان اصولوں کا تابع ہو کر کے کام کرتا ہے...... ایسے ہی علم کا حال ہے، کہ علم اللہ کے بتائے ہوئے اصول ہیں، اسکا سب سے پہلا تقاضا ہے کہ عالم پر اثر کرے۔

علم تقویٰ پیدا کرتا ہے:

اسلئے دنیا میں صحابہ نے زہد اختیار کیا..... تقوی اختیار کیا...... امانتداری سے کام کیا..... اور صحابہؓ کے علم کی یہ خصوصیت تھی کہ انکے علوم نے انکے اندر تقوی پیدا کر دیا، اللہ کا ڈر پیدا کر دیا، امت میں سب سے زیادہ ڈرنے والے ابوبکرؓ ہیں، ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴾ [سورۃ: اللیل، آیت:۱۷] یہ اتقی ابوبکرؓ ہیں، اور علوم بھی انکے پاس سب سے زیادہ تھے، اگرچہ روایتیں انکی زیادہ نہیں ہیں، جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تو وہ فرماتے کہ اسکا حل یہ ہے!!! تو ڈر بھی انکے پاس زیادہ، یہ اس علم کی تاثیر ہے، کہ علم اللہ کا ڈر اور آخرت کا ڈر پیدا کرے گا، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا ہوگا۔

اپنے عمل سے کوئی جنت میں نہیں جائے گا:

کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی نہیں ......ڈر ہے اپنے بارے میں، کیونکہ اس کا یہی اثر ہے، کہ جتنا اپنے آپکو اس علم کا تابع بنایا جائیگا اتنا ہی یہ ڈراوے گا......امانتداری بڑھ جائیگی......ڈر بڑھ جائیگا.... صحابہؓ کو تقوی ملا، پھر انکے تابع داری میں انکے بعد جتنے بھی حضرات تابعین آئے، تبع تابعین، بزرگان دین، یہ سب اسی صفتِ تقوی پر تھے، تو یہ علم ڈر پیدا کرتا ہے، امانتداری کی صفت پیدا کرتا ہے، مخلوق کے حقوق کی فکر رہتی ہے، اسکی برکت سے اللہ انکے دلوں میں تقوی خشیت بڑھاتے ہی رہتے ہیں۔

امام محمد کا ڈر:

امام محمد ابن حسن شیبانیؒ ہمارے اماموں میں ہیں، وہ ڈرتے ہی رہتے تھے....لوگ کہتے تھے کہ آپ اتنا ڈرتے ہیں؟؟؟ آپ نے تو علم کی اتنی خدمت کی ہے!!! اتنا استنباط کیا ہے، اتنی بڑی بڑی آپ کی کتابیں ہیں!!! اور ایک بڑی امت آپ کے مسلک پر چل رہی ہے، کتنا بڑا اجر ہے؟ لیکن ان لوگوں نے میری گردن پر پل بنایا ہے، اب وہ لوگ میرے استنباط پر عمل کرینگے پتہ نہیں صحیح نکلے نہ نکلے؟؟؟ مجھ سے پوچھ ہوگی، کیونکہ انبیاء کرامؑ سے بھی اللہ پوچھیں گے، کہ آپ نے کیا کیا تھا؟ ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الأعراف:٦] جنکے پاس بھیجا ہے انسے بھی پوچھیں گے کہ کیا پہونچا؟ اور جنکو بھیجا تھا ان سے بھی پوچھیں گے کہ آپنے کیا پہونچایا؟ کیا دیا۔

انبیاء کی طرح علماء سے بھی سوال ہوگا:

جس طرح انبیاء سے سوال ہوگا اسی طرح علماء سے بھی سوال ہوگا، حضرت شیخ سہارنپوریؒ نے مؤطا کی شرح لکھی ہے ''أوجز المسالک'' اس کے متعلق علماء جانتے ہیں، اسکے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جس طرح انبیاء سے سوال ہوگا، امت کے علماء سے بھی سوال ہوگا، آپ کیا کر آئے؟ کیوں کہ آپکو علم دیا تھا، اس لئے ہمیشہ امت کے علماء ڈرتے ہی رہے، ڈرڈر کر اللہ کا کام کیا....... انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ بچایا.... کہیں اللہ کے حقوق میں کمی نہ ہو جائے، امت کے مالوں سے بچ کر کے امت کی خدمت کی، جیسے انبیاء کرام لوگوں کے مال سے بچتے تھے ﴿لا أسئلُكُمْ عَلَيْهِ مَالاً﴾ امت کے مالوں سے بچکر کے امت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانا ہے، امت کو فائدہ پہونچانا ہے، کیوں کہ اس علم کی یہی تاثیر ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکی خدمتوں کو پروان چڑھایا، انکی خدمتوں کو سراہا، انکی خدمتوں کو قبول کیا، اور انکی خدمتوں کو ہدایت کا ذریعہ بنایا.... انکو حق کی فکر ہے، انکوڈر رہے، کہ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہوجاوے۔

علماء بنی اسرائیل کی کمزوریاں:

اللہ پوچھیں گے ہر عالم سے..... ہر مفتی سے..... ہر خطیب سے..... کیا خطاب کیا تھا؟ کیا فتوی دیا تھا؟ جیسے انبیاء کرام سے پوچھیں گے کیا کیا تھا؟ اس امت کے علماء کی یہ خوبی ہے، ایک بنی اسرائیل کے عالم تھے، انکا پہلو بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے کھولا ہے، آپ قرآن پڑھیں انکا علم تقوی سے نہیں ملا، انکا علم فسق سے ملا، ﴿ وإنَّ أكْثَرَهُمْ لَفَاسِقُوْنَ﴾ [المائدہ:۵۹]، علماء بنی اسرائیل کے حالات پڑھیں سورۃ بقرۃ میں، سورۃ آل عمران میں، سورۃ مائدہ میں، انکی زندگی کی کتنی کمزوریاں تھیں!!!! انکی زندگی کی کتنی قباحتیں تھیں، وہ سب قباحتیں بتائی بیان کی گئی ہیں، انھوں نے یہ کیا..... یہ کیا..... یہ کیا ہے...... صحیح رہبری نہیں کرتے تھے..... لوگوں کی دنیا سے فائدہ اٹھاتے تھے، یہ

اس طرح ﴿يَاأَيُّهَا الذِيْنِ آمَنُوْا إِنَّ كَثِيْراً مِنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ [التوبة:۳۴] دونوں کام کرتے ہیں، لوگوں کے مال ہڑپ کرتے ہیں، اور حق کے راستہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، جب کوئی نبی آیا تو سب سے پہلے انکے علماء کو نبی سے حسد ہوا۔

یہود کے علم نے انکے اندر تکبر پیدا کر دیا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہود مدینہ میں تھے انکو سب سے زیادہ حسد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، انکے علم نے حسد پیدا کر دیا..... تو یہود نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس آدمی کی ساری عمر مخالفت کرنی ہے...... جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا پہونچے ہیں تو یہود کے دو بڑے شخص مغرب کے وقت آئے، تو دیکھا کہ یہی ہیں کہ ہاں یہی! کہ ساری عمر اسکی مخالفت کریں گے، یہ فیصلہ کیا... یہود کے علم میں صرف فسق آیا، حالانکہ وہ جانتے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَائَهُمْ﴾ کہ وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں، کوئی خفاء نہیں ہے..... کوئی تردد نہیں ہے..... لیکن تابعداری نہیں کرتے...... کیوں کہ انکے علم نے انکے اندر تکبر پیدا کر دیا، جیسے ابلیس کے علم میں تکبر ہے، تو اللہ کے حکم سے انکار کر دیا..... میں سجدہ نہیں کرتا، اکڑ گیا حکم کے سامنے، اور آدمؑ سے حسد کیا... کیوں کہ حسد تکبر کی فرع ہے، تکبر پیدا ہوگا تو حسد پیدا ہوگا، پھر حسد کرینگے، اور حق سے روکیں گے۔

بنی اسرئیل کے علماء نے علم کا حق ادا نہیں کیا!

تو بنی اسرائیل کے علماء کو فسق ملا..... علم انکے پاس تھا، اللہ نے علماء کہا ہے ﴿أَوَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَه عُلَمَاءُ بَنِي اسْرَائِيْل﴾ [الشعراء:۱۹۷] چنانچہ جہلاء نہیں کہا، وہ علماء ہیں، لیکن انکے علم میں فسق ملا ہے، انکے علم میں خشیت ..... اللہ کا

خوف.... عدل وانصاف نہیں رہا، بلکہ علم کے ذریعہ سے نفس کی تابعداری کی، اور نفس کے خواہشوں کے پورا ہونے کے حیلے بنائے، اسلئے ہمیشہ کے لئے ملعون ہوگئے، ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِن بَنِي اِسْرَائِيْلَ﴾ [المائدہ:۷۸] یہ ملعون ہوئے ہیں، اللہ نے علم بھی دیا تھا.....اللہ نے انبیاء کرام بھیجے، کتابیں بھیجیں، کتابوں کا علم بھی دیا....تو حق روشن ہوگیا.....لیکن اپنی نفسانیت کی وجہ سے علم کا بھی حق ادا نہیں کیا.....اور مخلوق کا حق بھی ادا نہیں کیا.......دنیا دار بن گئے، اور دنیا بنانے کے لئے اپنی تدبیروں سے حیلہ کرتے تھے، بہانہ کرتے تھے، اور اپنی بڑائی جتاتے تھے......اور جب کوئی نبی آتا تھا تو اس سے حسد کرتے...... نبی کے تابعداروں سے حسد کرتے...... خیر خواہی انکے اندر نہیں ہے کہ اس نبی کی خیر خواہی کریں! کام کی خیر خواہی کریں! دین سے ہمدردی کریں، دیندار لوگوں سے ہمدردی کریں، انکے اندر ہمدردی نہیں ہے......بلکہ حسد ہے۔

جو علم سے فائدہ نہ اٹھائے اسکا عذاب سب سے سخت ہے:

جب علم کا استعمال صحیح نہیں ہوگا تو دوسری قسم کی چیزیں پیدا ہونگی، جیسے دنیا کا لالچ بڑھ جائیگا، حسد بڑھ جائے گا......اپنی بڑائی بڑھ جائیگی......اور حق کے راستہ میں زبردست رکاوٹ بنیں گے، اس لئے زبردست عذاب کے حقدار بنیں گے "أشدُّ النَّاسِ عَذاباً يَوْمَ القِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُهُ" [شُعَبُ الإيمان / حدیث نمبر:۱۶۴۲] سب سے سخت عذاب اس عالم کا ہے جو علم سے فائدہ نہ اٹھائے، تو اللہ نے بنی اسرائیل کے علماء کا حال بھی ہمارے سامنے رکھا، کہ جو حقوق کی معرفت کے لئے علم آیا تھا انھوں نے اپنے نفس پروری میں اسے لگایا، اپنی بڑائی..... اپنی برتری لوگوں کی دنیا سے فائدہ اٹھانا...... اور حق کے ساتھ حسد کرنا، حق کے راستہ میں رکاوٹ بننا، ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه﴾

[التوبة /۳۹] اللہ کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے ، صد،یصد لازم متعدی دونوں استعمال ہوتا ہے،خود بھی رکتے ہیں، دوسروں کو بھی روکتے ہیں، یہ کرتے تھے،اور یہ انکی عادت تھی،اسلیئے ملعون ہوگئے۔

علماء بنی اسرائیل کے حالات بطور عبرت ہیں:

انکی باتیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سامنے بطور عبرت رکھی ہیں،تاکہ اپنے اوپر یہ راستہ نہ کھلے، بلکہ اپنے آپکو علم کے تابع بنانا، ایک ایک سنت ہمارے عمل میں آئیگی، ایک ایک سنت کی ہم تبلیغ کرینگے، کیوں کہ وہ عمل کے لئے اور پہونچانے کے لئے ہی ہے، دو ہی کام کرنا ہے، عمل کرو! اور دوسروں کو سکھاؤ! پھر وہ لعنت سے بچے ہوئے ہیں، "الدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا إِلَّا ذِکْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهَا عَالِمًا و مُتَعَلِّماً" اللہ کا ذکر اور اللہ کی اطاعت...... اور اللہ کی اطاعت رہبری کیلیئے، پھر یہ لعنت سے بچے ہوئے ہیں، یہ رحمت میں ہیں، نہیں تو لعنت میں ہیں۔

علم کے دو اہم تقاضے:

تو بنی اسرائیل کے علماء پر لعنت کی گئی، یہ بہت بڑا پہلو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے کھولا ہے، کہ علم کا کیا تقاضا ہے؟ علم کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے آپکو علم کا تابع کیا جاوے، اور دوسرا تقاضا اس علم کا یہ ہے کہ دوسروں کو تیار کیا جاوے، دوسروں کے لئے راستہ بنایا جاوے..... ایسی محنت ہو جاوے کہ لوگ اس راستہ پر چلیں، جیسے حکومتیں پل بناتی ہیں..... سڑکیں بناتی ہیں...... پہاڑ چھیدتے ہیں...... سڑک بنانے کے لئے، اور پانی ہے تو پل قائم کریں گے، تاکہ لوگ جائیں... آئیں، ایسے علماء خدمت اور محنت کر کے ایسا راستہ بناویں کہ لوگ آسانی سے اس پر چل سکیں، غریب، امیر، تاجر ہر ایک اس راستہ پر چلے، پہلا طبقہ علماء کا.... صحابہ کرامؓ کا ہے، صحابہ کرامؓ کا علم بہت گہرا، جیسا کہ ابن مسعودؓ

فرماتے ہیں کہ " أعْمَقُها عِلْماً وأقَلُّها تَكَلُّفاً "[اخرجه ابن عبد البر فی جامع بیان العلم وفضله ۲/۹۷] یہ حضرات اپنے علم میں بہت گہرے تھے، اصحاب محمد ﷺ کے پاس علوم تھے، اور وہ اپنے علوم کے تابع ہو گئے، اسلئے انکی زندگی میں انکا علم نور بن کر چمکا ہے، کہ میرے صحابہؓ ایسے جیسے ستارے، تو ہر ستارہ روشنی کے لئے ہوا ہے، اور زمین والوں کو اس روشنی سے فائدہ ہو رہا ہے، سمندروں میں اور جنگلوں میں..... لوگ ستاروں سے روشنی لیتے ہیں..... رہبری لیتے ہیں۔

حضور ﷺ سراجِ منیر ہیں:

آپ ﷺ کی ہستی سراج منیر ہے..... چراغ ہر طرف روشنی پھیلاتا ہے، سب کی طرف متوجہ ہے، موم بتی جلاؤ سب کی طرف متوجہ ہے، روشنی پھیلے گی، اور کچھ نہیں پھیلے گا، حضور ﷺ کی شان بتائی کہ سوائے روشنی پھیلنے کے کوئی موضوع ہی نہیں، آپ ﷺ کی زندگی کا...... کہ حق کی روشنی پھیلے گی..... لوگ حق سے فائدہ اٹھاویں.... اس طرح آپ ﷺ کے اصحابؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم لیا، اور خوب لیا، وہ تو آپ کے سامنے ہے، ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اصحاب محمد ﷺ اپنے علموں میں گہرے ہیں "أعمقهم علماً" اسلئے انکے راستہ پر آؤ! انکے اخلاق سے اخلاق ملاؤ! انکے عادات سے عادات ملاؤ! پھر قسم کھا کے کہا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صراط مستقیم پر ہیں، پھر صحابہؓ سے تابعین نے لیا، پھر تبع تابعین نے لیا، اس طرح یہ علم چلتا ہوا آیا ہے، اور امت کو رہبری ملتی چلی گئی۔

باطل نے علماء سے اشتراک توڑ دیا:

پھر باطل نے آکر یہ کیا کہ امت کا اور علماء کا رشتہ توڑ وایا، یہ ایک محنت ہوئی ہے، کہ عوام کو الگ .... اہل علم کو الگ کیا ..... عوام کو بدظن بنایا.... کہ تم انکے پیچھے چلو گے تو

تمھیں دنیا میں ترقی نہیں ہوگی، وہ تو الحمدللہ ایک عمومی محنت ہوئی ہے تو لوگ جڑے ہیں، ورنہ بڑا مشکل تھا، پہلے لوگ بہت حقارت سے دیکھتے تھے.... انگریزوں کا دور تھا.... اسوقت ہم لوگ پڑھتے تھے، پچاس سال پہلے کی بات ہے، تو لوگ علم کو طلبہ کو بہت حقیر نظر سے دیکھتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے وہ ربط پیدا کرادیا کہ علم کی قدر ہوئی، علماء کی قدر ہوئی، اور عوام بھی علماء کی طرف متوجہ ہوئے،......انکے دلوں میں ہمدردی آئی۔

جس علم سے حسد پیدا ہو وہ وبال جان ہے:

یہی اس علم کا حق ہے کہ علم ہمدردی پیدا کرے گا.......حسد نہیں پیدا کرے گا.....اگر حسد پیدا کرے تو وہ علم وبال ہے، اور ہمدردی پیدا کرے تو وہ علم رہبر ہے.....وہ علم رحمت ہے، اس علم کا حق ہمدردی ہے، کیونکہ نبی کے دل میں ہر ایک کی ہمدردی ہوتی ہے، اپنے دشمن کی بھی ہمدردی، یہ دشمن ہے...... کہ ہوگا! نبی اسکا دشمن نہیں ہے، وہ نبی کا دشمن ہے، اسلئے حضور ﷺ کے دشمن تھے......قریش بھی رسول اللہ ﷺ سے ناامید نہیں ہوتے تھے، کوئی مسئلہ ہوتا تھا کوئی ضرورت ہوتی تھی تو پیش کردیتے، کہ اے محمد ﷺ آپ تو ہمارے رشتہ دار ہیں..... آپ تو رشتہ داری اور اسکے حقوق بتاتے ہیں، تو آپ ﷺ فرماتے کہ ہاں ٹھیک ہے، اور انکی ضرورت پوری کردیتے تھے، وہ دشمن ہیں مگر آپ ناامید نہیں ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کو اللہ نے رہبر بنایا، آپ ﷺ کے دل میں ہمدردی ہے....... آپ ﷺ کے اندر اخلاق ہیں......چنانچہ دشمن سے ناامید نہیں ہوتے تھے، کیونکہ یہ علم اسی لئے ہے کہ ہمدردی پیدا کرے، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک پیدا کرے۔

امت سے دین کی طلب نکل گئی:

اسلئے میرے بھائیو! اب امت میں دین سے تھوڑی دوری آگئی، اس دوری کی وجہ

سے یہ نوبت آئی کہ دین کی طلب نکل گئی..... دنیا کی طلب بڑھ گئی، دنیا کی ترقی کی فکر ہے، آخرت کی فکر نہیں ہے..... حالانکہ اس علم کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں سے ہمدردی کرکے انکے لئے راستہ بنایا جاوے، وہ جہالت سے آتے تھے اور نبی اخلاق سے پیش آتے تھے، ایسے ہی لوگ جہالت سے پیش آئیں گے اور اہل علم اخلاق سے پیش آئیں گے، تاکہ انکا ربط ہو جاوے۔

تبلیغ کی غرض وغایت:

اسلئے پھر سے انکے اندر دین کی طلب پیدا کرنے کی ضرورت ہے...... یہ تبلیغ کی محنت ہے، اسکی بڑی غرض وغایت یہی ہے کہ بے طلب لوگوں میں دین کی طلب پیدا کراؤ، تاکہ وہ دین سیکھیں......دین پوچھیں......دین لیں......اگر طلب کے بغیر دوگے تو قدر نہیں ہوگی، جیسے ایک آدمی کا پیٹ بھرا ہوا ہو، اسکو کھانا دو......تو اسکو بوجھ ہوگا، وہ کسی کو دے دیگا، کہ میں نے تو کھالیا، تو میں یہ بوجھ کیوں اٹھائے اٹھائے پھرونگا، ؟ تو بے طلبی سے اگر کوئی چیز دوگے تو قدر نہیں ہوگی..... اور اگر طلب کے بعد دوگے تو ایسا جیسا کہ بھوکے کو کھانا کھلایا، پیاسے کو پانی پلایا..... ننگے کو کپڑا پہنایا! نبی طلب پیدا کراتے تھے، طلب کے بعد اگر کوئی آیا تو طلب کے مطابق اسکو علم بھی دیتے تھے، تو لوگ آتے تھے.... اور کہتے تھے کہ ''عَلِّمْنِي يَارسولَ اللهِ ﷺ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰه'' کہ یا رسول اللہ ﷺ جو آپکو اللہ نے سکھایا مجھے بھی سکھاؤ، تو آپ ﷺ انھیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتے تھے، کیونکہ یہ طالب ہے، طلب لیکر آیا ہے۔

لوگوں میں طلب پیدا کرانی ہے:

تو محنت سے لوگوں میں طلب پیدا کرانی ہے، تاکہ دین کی ناقدری نہ ہو، اگر بغیر طلب کے دیدیا تو وہ ناقدری کریں گے..... پڑھ کے ڈال دیں گے، اسلئے نبی نے

لوگوں میں طلب پیدا کرائی..... طلب پیدا کرانے کا نام دعوت ہے.....یعنی امت میں دین کی طلب پیدا کراؤ جیسے کسی کو بھوک نہیں لگتی تو ڈاکٹر اسے وہ دوا دے گا جس سے اسکو بھوک لگے، نیند نہیں آتی تو اسکو وہ دوا دی جائیگی، جس سے اسکے دماغ کی خشکی دور ہو اور نیند آوے، کیوں نیند آنا ضروری ہے.....بھوک لگنا ضروری ہے..... بھوک کی وجہ سے کھانا کھانا بنتا ہے، نہیں تو بوجھ بنتا ہے، نیند سے راحت ملتی ہے، بدن کام کریگا، ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً﴾ [النبأ/۹] ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے بدن کی راحت کیلئے پیدا کیا، کیونکہ ہمکو تم سے کام لینا ہے، تو نیند بھی ضروری ہے، نیند نہیں آتی تو بیماری ہے..... بھوک نہیں لگتی تو بیماری ہے...... ایسے ہی دین کی طلب نہیں ہے، بیماری ہے، دین ضائع ہو جائے گا۔

عبرتناک واقعہ:

ہم نے ۶۶ء میں عراق کا سفر کیا، چھاپی میں بہت بڑا اجتماع ہوا تھا، مولانا یوسف صاحبؒ کا زمانہ تھا، دنیا بھر میں جماعتیں بھیجیں، مولانا نے سارے پرانوں کو جماعتوں میں لگا کر بھیجا، ہمارے حصہ میں عراق آیا تھا، چار مہینہ عراق میں لگائے، وہ عجیب دور تھا، مسجد کا امام نابینا..... مسجد کا مؤذن نابینا.....مسجد کا خادم نابینا..... بینا بھی ہوتے تھے، لیکن نابینا ہوتے تھے، کیونکہ نابینا کچھ کرتا نہیں، تو وہ مسجد میں رہے، اذان دے، بعض نابینے حفظ کرتے تھے، قرآن شریف کے حافظ ہیں، کوئی استعمال نہیں جب کوئی مر جاتا تھا تو وہ قبر تک اسکے پیچھے پیچھے جاتے تھے، اور اسکے وارث اسکو پیسے دیتے تھے، یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، نابینا ہے.....اور حافظ قرآن ہے، قرآن شریف کا کوئی استعمال نہیں ہے، کیونکہ دینی فضاء نہیں ہے، مسلمان ہیں وہ دنیاوی علوم وفنون حاصل کرتے ہیں، اور قرآن شریف کی کوئی قدر و قیمت نہیں، بصرہ اور کوفہ ہم تو اپنی کتابوں میں پڑھتے

تھے، بصری/ انکا یہ مذہب ہے.....کوفی/ انکا یہ مذہب ہے.....عوام میں جہالت ہے، حالانکہ یہ علمی مراکز رہے ہیں، عراق میں عبداللہ ابن مسعودؓ کے ہزاروں شاگرد تھے، حضرت علی جب عراق گئے تو انکے مشہور شاگردوں نے انکا استقبال کیا، یہ ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں، یہ علمی مراکز ہیں۔

دین کی طلب نکل گئی:

جب لوگوں سے طلب اٹھ گئی تو وہاں سے علم اٹھ گیا، ایک رکعت تراویح میں ایک آیت پڑھتے ،اس لئے کہ تراویح جلدی ختم ہو جاتی ہے، ایک آیت الرحمٰن، اللہ اکبر.... علم القرآن، اللہ اکبر....... ہنسنے کی بات نہیں ہے، حالانکہ یہ علمی مراکز رہے ہیں، اسی بے طلبی کی وجہ سے علم ضائع ہو گیا......اہل علم اٹھ گئے، علماء مر گئے، بعد والوں نے علم لیا نہیں، تو زندگی جہالت کا شکار ہو گئی، ہم لوگ پیدل چلتے تھے، ایک جگہ ہمارا قیام ہوا، مسجد تھی نہیں؟ ایک آدمی نے اپنے گھر پر ہمکو ٹھہرایا، ظہر کی نماز تک ہماری تعلیم ہوئی، پھر میں نے ان سے کہا کہ ظہر کی نماز پڑھیں؟ کہا ہاں پڑھو! تو میں نے کہا آپ بھی پڑھو، انھوں نے صاف عربی میں کہا لا أعرف الصلاة میں نماز نہیں جانتا۔آج امت میں بے طلبی..... اور بے طلبی کی وجہ سے اپنے دین کی بھی خبر نہیں ہے.....اور آخرت کی بھی خبر نہیں ہے۔

علماء عوام سے تعلق پیدا کریں:

اسلئے آج علم والوں پر......دین والوں پر.... یہ تقاضا ڈالا گیا کہ وہ ان سے تعلق پیدا کریں..... جیسے اللہ نبی کو جہالت میں بھیجتے تھے، حضور ﷺ جاہلیت میں آئے ہیں، اور کتنی پکی جہالت.... چھ سو برس تک انکے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، عیسیٰؑ کے

اٹھائے جانے کے بعد ﴿لِتُنْذِرَ قَوْماً مَا اُنْذِرَ آبائُهُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ﴾ [یٰسین: ۹] یہ کہا اللہ نے، آپ ﷺ ان لوگوں کو ڈرا کر اللہ کی طرف لائیں گے، انکے باپوں کو بھی کسی نے نہیں ڈرایا، یہ غافل ہیں، پکی جہالت.....طواف بھی خانہ کعبہ کا ننگا کرتے تھے ،مرد بھی اور عورت بھی، یہ جہالت کے آثار ہیں.....اس جہالت میں حضور ﷺ نے کام کیا ہے، کہ لوگوں میں دین کی طلب پیدا فرمائی، انکو بشارتیں سنائی، انکو عذاب دکھائے ..... دیکھو یہ کروگے تو یہ ہوگا، نہیں کروگے تو یہ ہوگا..... پھر انکو اخلاق دکھائے، ﴿وَأعْرِضْ عَنِ الجَاهِلِيْنَ﴾ جہالت کے جواب میں اخلاق، جہالت کے جواب میں علم.....،کون سا علم؟ ترغیب کا....... اللہ نبیوں کو مبشرین اور منذرین بنا کر بھیجتے تھے ،وہ انھیں بشارتیں سناویں، اپنے انجام سے ڈراویں، تا کہ ان میں تعلق پیدا ہو۔

دعوت و تعلیم دونوں نبوت کے شعبہ ہیں:

تو بے طلبوں میں کام کرنا اسکو دعوت کہتے ہیں، طلب والوں میں کام کرنا اسے تعلیم کہتے ہیں...... اور دونوں ضروری ہیں، دونوں نبوت کے شعبے ہیں، نبی داعی بھی ہوتا ہے..... نبی معلم بھی ہوتا ہے، نبی مصلح بھی ہوتا ہے، انکے اعمال اخلاق کو ٹھیک کرتا ہے، تا کہ انکی معاشرت صحیح ہو جاوے.....انکا رہن سہن صحیح ہو جاوے، حقوق کی ادائیگی ہو جاوے.....انصاف احسان انکی زندگیوں میں آوے...... یہ ذمہ داری امت کے اہل علم پر ہے، کہ طلب والا آوے تو اسے علم دو..... تحقیق سے پڑھاؤ! ہمارے علماء کرام جو علم دیتے تھے تحقیق سے دیتے تھے، کیونکہ علم تو تحقیق کا نام ہے.....نہ تو اٹکل گمان ہے.... اس لئے علم زندہ رہا ہے.....کیونکہ تحقیق کے ساتھ دیا، محنت کے ساتھ پڑھایا، خود محنت سے پڑھا بھی ہے، اور محنت سے پڑھایا بھی ہے، صحیح چیز یہ ہے..... جو طلب کے لئے آویں انھیں صحیح چیز دینا، اور جنکو طلب نہ ہو ان سے تعلق پیدا کر کے ان میں طلب پیدا

کر کے انکی دین کی طرف رہبری کرنا، تا کہ وہ بھی دین کی طلب والوں میں آجاویں، اس کو دعوت کہتے ہیں۔

بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا کٹھن کام ہے:

بے طلبوں میں طلب پیدا کرا کے انکو اللہ کی طرف لانا یہ کام کٹھن ہے، نبیوں پر بہت بھاری پڑتا تھا..... کیونکہ لوگ جہالت سے پیش آتے تھے، مخالفت کرتے تھے، ستاتے تھے، نبی کو پہچانتے نہیں ہیں، جب پہچان شروع ہوگئی بس پھر وہ آپ ﷺ کا اکرام کرتے تھے، آپ ﷺ کے وضو کا پانی گرنے نہیں دیتے تھے، نہیں تو دھول اڑاتے تھے شور کرتے تھے، بات سننے نہیں دیتے تھے، اب طلب آگئی تو اب جو حکم ہے اسکے لئے تیار ہیں۔

تحقیق کر کے علم پہونچائیں:

تو علماء کرام پر اللہ نے یہی ذمہ داری ڈالی ہے، کہ طلب والا آوے اسے علم تحقیق سے دو! تحقیق سے فتوی دو! تحقیق سے حکم بتاؤ! تا کہ اسکا عمل صحیح ہو جاوے..... اور آپکے لئے صدقہ ء جاریہ ہو جاوے..... اور طلب نہیں، تو ان سے اخلاق سے پیش آؤ، ترغیب سے پیش آؤ، ان میں طلب پیدا کراؤ، پھر وہ بھی طلب لیکر آئے گا، کہ ہمکو دین سکھاؤ، اس میں خدا کیا کہتے ہیں؟ حکم کیا ہے؟ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ علماء تیار کریں! تا کہ یہ ذمہ داریاں چلتی رہیں، یہ نہیں کہ عالم کے مرنے کے بعد ماحول سونا ہو گیا، یہ نہیں کہ عالم کا انتقال ہو گیا اب اسکی ذمہ داری سنبھالنے والے نہیں ہیں، بلکہ ذمہ داری سنبھالنے والے پیدا کریں، تا کہ امانت کی حفاظت کریں، جیسے مالدار آدمی چاہتا ہے کہ اولاد ہو...... کیونکہ وہ مال کا وارث بنیگی، اور اولاد نہیں ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی کو بڑی حسرت ہوتی ہے، کہ اللہ نے ہمکو مال دیا ہے..... دولت دی

ہے..... اولاد نہیں ہے، تو ہمارے مرنے کے بعد ہمارا گھر بند ہو جائیگا، یا تو کوئی دوسرا رمالک بن جائے گا، اسلئے چاہتے ہیں کہ اولاد ہو جو اسکی وارث بنے..

علماء اپنے وارثین پیدا کریں:

اسی طرح علماء کے ذمہ یہ قرار دیا کہ آپکے بعد آپکے وارث ہوں تا کہ آپکی ذمہ داری کو موت تک سنبھالیں..... اسکو ترقی دیں، اس لئے فرمایا کہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ علماء تیار کریں..... تا کہ حق کی بات لوگوں کے درمیان چلتی رہے، صحابہ کرامؓ نے علم کو زندہ کرنے کا انتظام کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں...... جو صحابہؓ علماء تھے انکو ملکوں میں بھیجا، ابو درداءؓ کو شام میں بھیجا.... عبادہ ابن صامتؓ کو فلسطین بھیجا...... معاذ ابن جبلؓ کو یمن بھیجا.... یہ سب علماء ہیں، کیوں؟ تا کہ یہ لوگ وہاں علم کو زندہ کریں، تو موت تک وہیں رہے، اور اپنے علم کو وہاں زندہ کیا، اور ہر لائن کا علم....... خالی عبادت کا علم نہیں، فرمایا: مجھے ایسی جماعت چاہیئے جو وہاں جا کر علم کو زندہ کرے، تو پانچ صحابہ تیار ہوئے، [جن کی تفصیل ابھی گذری] اسلئے علم زندہ رہا، تو حضرت مولانا یوسفؒ یہ فرماتے تھے علماء کی ذمہ داری ہیکہ علماء تیار کریں، تا کہ امت کو حدود و قیود بتادیں..... کہ اسکی یہ حد ہے..... یہ حق ہے.... یہ شریعت ہے......

ہر طبقہ کو علم پہونچے:

دوسری ذمہ داری امت کے علماء کی یہ ہے کہ طبقات کو علم دیں...... تاجروں کے پاس تجارت کا علم ہونا چاہیئے! زمینداروں کے پاس زمینداری کا علم ہونا چاہیئے..... مزدوروں کے پاس مزدوری کی شریعت ہونی چاہیئے..... تا کہ انکی تجارتیں غلط نہ ہوں، انکی زمینداریاں غلط نہ ہو جاویں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے احکام اتارے ہیں، اور یہ سب ہماری فقہ کی کتابوں میں ہے، کیونکہ ہمارا زمیندار بھی..... ہمارا دکاندار

بھی.... ہمارا مزدور بھی دیندار ہو، اور وہ اپنی جگہ پر اللہ کی حدود اور قیود پر قائم رہنے والے ہوں، یہ نہیں کہ خالی مال کمانے والا ہے، بلکہ مال بھی کمائے گا، اور حکموں کے ساتھ کمائے گا، تو طبقات میں علم دینے کے لئے طبقات کے اندر طلب پیدا کرنی پڑے گی، تب وہ تاجر آکر آپ سے مسئلہ پوچھے گا، اگر اسکے اندر طلب نہیں ہے تو وہ مسئلہ نہیں پوچھے گا، اگر ان میں دین کی طلب آئی تو مسئلہ پوچھے گا، کہ میرے یہ مسائل ہیں ان میں شریعت کیا کہتی ہے؟.

ایک تاجر کی طلب:

ایک جماعت ہمارے پاس مصر سے آئی تھی، اس میں ایک سونے چاندی کے تاجر تھے، تو وہ ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کہ ہماری تجارت سونے کی ہے، اور اس میں بڑے مسائل آتے ہیں، کیونکہ سونے کی تجارت کے مسائل بڑے نازک ہیں، فقہ میں کتاب الصرف پڑھتے ہیں کہ نہیں؟ ثمن کی تجارت! کہ بڑے مسائل آتے ہیں، اس نے کہا کہ میں اس میں رہبری چاہتا ہوں، کوئی اس میں روشنی ملے کہ سونے چاندی کی تجارت میں بہت جلدی حرام آجاتا ہے، تھوڑا سا تفاضل ہوا تو حرام ہو جائیگا، تو مجھے روشنی چاہیئے، میرے کچھ مسائل ہیں وہ میں پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے اسکا جواب دیجئے! تو اسکے اندر طلب آئی کہ میری تجارت حلال کی رہے، میں نے کہا: کہ ہم مسائل جانتے نہیں، لیکن ہمارا طریقہ ہے کہ ہم مسائل کے لئے علماء کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں...... آپ لکھ کر کے لائیے! کہ صورت مسئلہ یہ ہے.....تو ہم آپ کو جواب دے دیں گے، وہ مسائل لکھ کر کے لائے پھر میں نے دیوبند بھیجا، مفتی محمود حسن صاحبؒ اس وقت حیات تھے، تو وہاں سے پورے جوابات آگئے.

مسائل پوچھنے سے علماء کا علم بڑھے گا:

تو تاجر اپنی تجارت میں علم لے آیا...... اسی طرح مال کما رہا ہے دین کے ساتھ.... کیوں کہ اس میں دین آیا ہے دین کی طلب آئی ہے، تو اب رجوع کر رہا ہے، کہ علماء اس میں مجھے رہبری کریں...... ایسے ہی الجزائر کے ایک ساتھی تھے، وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، کہنے لگے: میرے مسائل ہیں.....تو میں نے ان سے بھی یہی کہا کہ تم بھی لکھ کر کے لاؤ! کہ ہم آپ کو بتا دیں گے اور رہبری کرینگے، کیونکہ ہمارے پاس علماء ہیں.... وہ آپ کو تحقیق کے ساتھ جواب دیں گے، لوگوں میں طلب آئے گی، تو وہ مسائل پوچھیں گے، جب مسائل پوچھیں گے تو علماء کا علم بڑھ جائیگا، کیونکہ تحقیق کر کے جواب دینا پڑے گا، جیسے گاہک دکان میں بڑھ جاتے ہیں تو مال بھی بڑھ جاتا ہے، اس مال کی اب کھپت زیادہ ہے...... مال زیادہ منگواؤ! جیسا رمضان میں کھانے پینے کی چیزوں کی طلب لوگوں میں بڑھ جاتی ہے، تو کھانے پینے کی چیزیں بازاروں میں بہت آتی ہیں، کیونکہ انکے خریدار بہت ہیں، ایسے ہی جب لوگ طلبگار بنیں گے تو علماء کا علم ترقی کریگا۔

نئے مسائل میں علماء کی رہبری:

اسی طرح ہمارے علماء خدمت کر رہے ہیں، نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، اس پر غور و خوض کر رہے ہیں، اصول سے فروعات نکال کر رہبری کر رہے ہیں..... یہ اسی وجہ سے کہ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں.....ہوائی جہاز نہیں تھا، اب ہوائی جہاز پر نماز کا مسئلہ آ گیا، پہلے لوگ اونٹوں پر سفر کرتے تھے، پانی پر سفر کرتے تھے، اب دوسرے مسائل آ گئے، تو علماء ان مسائل کو اصول سے نکال رہے ہیں، اور رہبری کرتے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں طبقات کو علم دینا علماء کی ذمہ داری ہے..... علم تو تب وہ لینگے جب ان میں طلب آوے گی، طلب نہیں آوے گی تو وہ کیوں لیں گے، آپ بتاؤ گے بھی تو شکریہ کہکر وہ بات

عمل میں نہیں آئے گی، کیونکہ ابھی اسکے اندر طلب نہیں ہے، ایک عرب ہمارے پاس آئے.....سوڈانی تھے...... مجھ سے کہنے لگے کہ میں گاڑی چلارہا تھا، تو ایک بچی گاڑی کے نیچے آگئی، اور وہ مرگئی، تو جو اسوقت قانون حکومت تھا، وہ تو ہوگیا...... اب مجھ سے شریعت کیا کہتی ہے، میرے ہاتھ اسکا خون ہوا ہے تو مجھے دیت دینی پڑے گی؟ کفارہ دینا پڑے گا؟ یا اور کچھ دینا پڑے گا؟؟؟ یہ قتل خطا ہے، اس طرح کے مسائل پیدا ہوں گے...... لوگوں میں طلب آئیگی.....تو اب اس کی تحقیق کرنی پڑے گی کہ اس آدمی پر قتل خطا میں کیا آتا ہے؟ دیت آتی ہے کفارہ آتا ہے؟ لوگوں میں طلب آئیگی..... تو لوگ آپ سے پوچھیں گے تو آپکا علم ترقی کرے گا...... ایک صاحب اور آئے کہا کہ میں اور میرے ساتھی گاڑی چلا رہے تھے ،میرے دائیں بائیں دو ساتھی آگئے.....ایکسیڈنٹ ہوگیا اور وہ دونوں دائیں بائیں والے مرگئے.... ایکسیڈنٹ میں غلطی میری ہے، یہ خطا مجھ سے ہوئی ہے...... تو شریعت مجھے کیا کہتی ہے؟ انہوں نے مسئلہ پوچھا، کیوں؟ اس لئے کہ طلب آئی ہے. کہ اللہ کو جواب دینا ہے...... جو وقت کے قوانین ہوتے ہیں وہ تو ہو چکے ہیں...... اب اللہ کا حکم کیا ہے؟؟؟.

لوگوں میں طلب پیدا ہو رہی ہے:

یہ مثالیں میں نے اسلئے دیں ہیں تا کہ معلوم ہو کہ الحمدللہ اب لوگوں میں طلب آرہی ہے..... ورنہ ایسے مسائل کون پوچھتا ہے! وہ جانتے بھی نہیں کہ یہ بھی مسئلہ ہے.....اور پڑھنے پڑھانے میں بھی یہ مضامین بہت کم آتے ہیں، لیکن جیسے جیسے لوگوں میں طلب آئیگی تو اللہ تعالیٰ ایسے علوم بھی زندہ کریں گے، اسکے طلب گار آئیں گے پھر اسکو دینے والے پیدا کرینگے..... اسلئے مولانا فرماتے تھے کہ امت کے ذمہ ہے کہ علماء تیار کریں...... تا کہ یہ دین باقی رہے.....اور صحیح شکل میں باقی رہے، اور تمام طبقات میں علم زندہ رہے...... بیمار کے پاس بیماری کا علم......﴿وإن كنتم مرضى أو على

سفر ﷺ تو حضرت فرماتے تھے اگر طبقات میں علم زندہ ہوا!!! تو پھر ہر جگہ لوگ ایمان کے ساتھ ایمانداری ساتھ زندگی گزار کے کامیاب ہو جائینگے...... ہمارا تاجر کامیاب...... ہمارا زمیندار کامیاب..... ہمارا مزدور کامیاب...... کیونکہ اسکے پاس اسکی لائن کا دین ہے.

اخلاق سے قربت پیدا ہوتی ہے:

اسکا آسان راستہ یہ ہے کہ ان میں طلب پیدا کراؤ! آخرت کی فکر پیدا کراؤ! ان سے تعلق پیدا کرو! وحشت دور ہو جاوے.... تعلق پیدا ہو جاوے.... اور تعلق اخلاق سے پیدا ہوتا ہے، نبیوں نے لوگوں کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا...تو لوگ اخلاق کی وجہ سے نبیوں سے محبت کرتے تھے.... وحشت نہیں ہوتی تھی..... محبت ہوتی تھی، محبت کی وجہ سے اطاعت آسان ہو جاتی تھی، محبت کی وجہ سے پوچھنا آسان ہو جاتا تھا، تو فوراً پوچھتے تھے... یا رسول اللہ ﷺ یہ مسئلہ ہے! یا رسول اللہ ﷺ یہ مسئلہ ہے. صحابہؓ چاہتے تھے کہ کوئی باہر سے آوے اور پوچھے تو نئی نئی باتیں ہمکو معلوم ہو جاویں.....تو پوچھنے والوں کی برکت سے ہمیں بھی مل جائیگا.

اللہ بے طلبوں میں رسول بھیجتے تھے:

تو طلب کی وجہ سے علم بڑھتا ہے، طلب کی وجہ سے معاشرت صحیح ہوتی، تعلقات صحیح ہوتے ہیں، اسلئے اللہ کی سنت یہ ہے کہ بے طلبوں میں اللہ رسول بھیجتے ہیں، ان میں کوئی طلب نہیں ہے انکار ہے یہ رسول ان میں محنت کرتے ہیں..... یہ محنت کٹھن ہوتی ہے..... مجاہدہ ہوتا ہے، لیکن یہی محنت انکی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، پھر اللہ انہیں ہدایت دے دیتے ہیں، اور نبی کی اطاعت کرتے ہیں، نبی کی تابعداری کرتے ہیں، نبی سے محبت کرتے ہیں، اور انکے حامی ہو جاتے ہیں.

دعوت کے کام کی رفتار دھیمی ہوتی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ دعوت کے عمل کی رفتار دھیمی ہے، دھیمے دھیمے اسکا اثر ہوگا..... جیسے کوئی چیز زمین سے دھیمے دھیمے اگتی ہے، ایک دم ایک ہفتہ میں اوپر نہیں چلی جاتی، ایسے ہی اس محنت کا اثر دھیمے دھیمے ہوتا ہے..... لیکن پکا ہوگا، حضور ﷺ نے تیئیس سال محنت کی، تیئیس برس کی محنت کا یہ اثر ہوا کہ چھ سو سال سے جو گمراہی تھی وہ ختم ہوگئی.... چھ سو برس کی جہالت سب ختم ہوگئی، لوگ بھائی بھائی بھی ہوگئے، اور دیندار بھی ہوگئے، تو عمومی محنت بھی صحیح ہے..... خصوصی محنت بھی صحیح ہے..... خصوصی محنت طلب کرنے والوں میں.....طلبہ میں...... طالب علموں میں دین دینا یہ بھی صحیح ہے، اور بے طلبوں میں طلب پیدا کر کے دین دینا یہ بھی ضروری ہے، اسلئے یہ دعوت دی جاتی ہیکہ آپ حضرات علم میں مشغول ہیں، اور مشغولی صحیح ہے، برحق ہے، کیونکہ آپکے پاس طلب والے آئے ہیں تو انکا حق ہوگیا، انکو بھی حق دینا ہے، لیکن بہت بڑی امت ایسی ہے جسکو دین کی کچھ طلب نہیں ہے..... وہ جہالت میں زندگی گزارتے ہیں...... خبر ہی نہیں ہے کہ کیا واجب ہے؟ کیا واجب نہیں ہے؟ ایک آدمی جماعت میں وقت لگا کر آیا تھا، اور وقت لگانے کے بعد اس نے اپنے گھر جا کر اٹھارہ برس کی زکوٰۃ ادا کی.... بلڈر تھا..... بس کمانا ہی کمانا ہے، کمائی کے دین کی خبر نہیں ہے، اب وہ اللہ کے راستہ میں پھرا...... باتیں سامنے آئیں، آدمی میں جب طلب آتی ہے تو اپنے آپکو ٹھیک کرنے میں لگ جاتا ہے...... یہ آج کی مثالیں ہیں.

بے طلبوں میں بھی کام کریں:

اسلئے ہمارا ایک موقع ایسا ہونا چاہیئے کہ ہم بے طلبوں میں جاویں.....اور ان میں طلب پیدا کریں.....انکی کڑوی کسیلی برداشت کریں..... انکے مقابلہ میں صبر کریں.....

اپنی ہمت، محنت، اور اخلاق سے ان سے پیش آویں..... تو اخلاق کی بھی مشق ہو جائیگی محنت کی بھی مشق ہو جائیگی، اخلاص بھی آئے گا، کیونکہ وہ تو قدر نہیں کریں گے، اور آپکو ان میں کام کرنا ہے، تو سوائے اخلاص کے کوئی دوسری طاقت نہیں ہے......اخلاص والا جمتا ہے...... اخلاق کو بھی پانی ملتا ہے..... اخلاص کو بھی پانی ملتا ہے......دینداری کی فضاء بنے گی، اسلئے بے طلبوں میں جانا یہ بھی ایک کام ہے، اسلئے کہا جاتا ہے کہ اپنے کام کی ترتیب بناویں، کہ ایک وقت طلب والوں میں درس دینا..... تعلیم دینا.... تحقیق سے پڑھانا..... انکی تربیت کرنا..... دوسرا وقت ایسا نکالیں کہ بے طلبوں میں جاویں، انکی کڑوی کسیلی برداشت کریں...... انکو فضیلت بتاویں.....انکو آخرت سمجھاویں.... اخلاق سے پیش آویں..... تاکہ ان میں آخرت کی طلب آوے، اپنے ایمان کے تقاضہ پر عبادتیں کریں، اور عبادت کو صحیح کرنے کیلئے صحیح علم حاصل کریں.

علماء وقت فارغ کریں!

اسلئے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ وقت فارغ کر کے یہ کام بھی کریں! تاکہ دونوں پہلو سلامت رہیں، ایک کام کی وجہ سے دوسرے کام کو برباد نہیں کرنا ہے، کیونکہ دونوں حق ہیں..... یہ بھی حق ہے..... وہ بھی حق ہے..... غلط کوئی بھی نہیں ہے، اور اصول ہے "الحق لایزاحم الحق" کہ حق حق کا مزاحم نہیں ہوتا، حق حق کا مخالف نہیں ہوتا..... بلکہ حق حق کو پانی دیتا ہے،

نبی کام کی ترتیب بتاتے ہیں:

جیسے نماز پڑھنے والا رکوع سے سجدے میں، اور سجدے سے قاعدے میں جاتا ہے، تو رکوع بھی ضروری.....سجدہ بھی ضروری..... قاعدہ بھی ضروری.....لیکن ہر رکن کی ہیئت الگ الگ ہے، کہ رکوع والا سجدے میں نہیں ہوسکتا، اور سجدے والا قاعدہ میں نہیں ہو

سکتا، تو پھر کیا کریں؟ نبی نے ترتیب بتائی، قیام پہلے ہوگا، رکوع بعد میں ہوگا، سجدے بعد میں ہوں گے، اور قاعدہ اخیر میں ہوگا..... اسے ترتیب کہتے ہیں، تو نبی حقوق اور حق کی ترتیب بتاتا ہے "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي اُصَلِّي" نماز پڑھ کے بتایا کہ قیام یوں ہوگا! پھر رکوع یوں ہوگا! پھر سجدے یوں ہوں گے! پھر قاعدہ یوں ہوگا! تو ہر ہیئت کو حق مل گیا..... قیام بھی ہوگیا..... رکوع بھی ہوگیا..... سجدے بھی ہوگئے..... ورنہ ہر ہیئت دوسرے کے مخالف ہے، کہ رکوع ہو تو سجدے کیسے ہوسکتا ہے؟ قاعدہ ہو تو سجدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو نبی ترتیب بتاتے ہیں..... چنانچہ دین کی ترتیب بتائی ہے، تاکہ دین کے سارے کام اپنی ہیئت میں باقی رہیں کیونکہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں.

نبی کی ذمہ داری:

مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے نبی کے ذمہ ہوتا ہے کہ عمل بتاوے..... عمل کی نیت بتاوے..... عمل کی ترتیب بتاوے..... یہ مذہب کی تکمیل ہوتی ہے، تو اسلئے ہمیں ترتیب قائم کرنی ہے..... بات بگاڑنی نہیں ہے..... کوئی کام چھوڑنا نہیں ہے..... کوئی کام توڑنا نہیں..... بلکہ اسکی ترتیب ہوگی، تو ہر کام کو پانی ملے گا جیسے میں نے ابھی نماز کے ارکان کے بارے میں کہا، ایسے ہی ایک وقت فارغ کریں، عمومی کام کیلئے، ایک وقت خصوصی خدمتوں کیلئے ہوگا، اسکی درخواست ہے..... اسلئے یہ ترتیب چلی ہے، پڑھنے والے پڑھیں، تو سال لگاویں اور جو خدمتوں میں مشغول ہیں وہ اپنے وقت کی ترتیب بناویں! چار چار مہینوں کی، سال کے چلوں کی، باقی وقت گھر پر اپنا خدمتوں میں لگاویں! تو دونوں جگہ پانی ملے گا.

دونوں (دعوت تعلیم) حق ہیں..... یہ بھی حق ہے
وہ بھی حق ہے..... غلط کوئی بھی نہیں ہے،
اوراصول ہے ”الحق لایزاحم الحق“
حق حق کا مزاحم نہیں ہوتا، حق حق کا مخالف نہیں ہوتا
بلکہ حق حق کو پانی دیتا ہے۔

بیان نمبر (۴)

صحابہؓ
کی
محنت اور مجاھدے:

﴿بھروچ،۲۰۱۳/۰۴/۱۲﴾

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضلله: و من يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا محمدا عبده ورسوله ﷺ وعلى آله و صحبه، وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً، أما بعد!

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو!

ہمارا بیٹھنا عبادت ہے..... سننا عبادت ہے..... گرمی برداشت کرنا عبادت ہے..... سردی برداشت کرنا عبادت ہے..... جیسے رمضان کے روزے سردی کے گرمی کے سب عبادت ہیں، کیونکہ وہ دین کی وجہ سے برداشت کر رہے ہیں، یہ بڑی بات ہے کہ اللہ کے حکموں کے لئے اللہ کے دین کے لئے تکلیف برداشت کی جاوے..... نقصان برداشت کیا جاوے، جو تکلیف.....جو نقصان دین کی وجہ سے برداشت کیا جاتا ہے وہ اللہ کے یہاں نقصان نہیں مانا جاتا، بلکہ وہ قربانی مانی جاتی ہے، ہر تکلیف چاہے اللہ کے راستے میں کانٹا بھی لگے یہ کانٹا بھی نیکی کے لکھنے کا ذریعہ: اور گناہ کے مٹنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس محنت کی مثال بارش کے پانی کی ہے:

رسول اللہ ﷺ فرمایا: جو علم و ہدایت دیکر اللہ نے مجھے بھیجا ہے وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے برسنے والا پانی ہوتا ہے، آسمان سے برسنے والا پانی سراسر رحمت اور سب کے لئے رحمت ہوتا ہے.... اپنوں کے لئے پرایوں کے لئے.... جانوروں کے لئے..... زمین سے اگنے والی چیزوں کے لئے...... سب کے لئے رحمت ہے، حدیث پاک میں ہے "مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰه بِه مِنَ العِلمِ وَالهُدَى كَمَثَلِ الغَيثِ الكَثِيرِ" [صحیح

البخاری/ باب فضل من علم وعلم، حدیث نمبر:۷۹] تو دین کی محنت بارش کی طرح رحمت ہے، ماحول میں اس سے رحمتیں برستی ہیں، بھائی چارے پیدا ہوتے ہیں، اور دین صحیح معنوں میں آتا ہے..... تو ہمارا رہن سہن صحیح ہو جاتا ہے، بھائی چارہ قائم ہو جاتا ہے.....دشمنیاں ختم..... ناراضگیاں ختم...... ایک دوسرے پر احسان اور ایثار کرنے والے، مدد کرنے والے ایک دوسرے کا بھلا چاہنے والے.... پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے مدینے کے انصار آپس میں بہت لڑتے تھے، بڑی خونریز جنگیں ہوتی تھیں، اور برسوں سے چلتی تھیں، لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے دین قبول کیا اور بیعت کر کے قول وقرار کرلیا تو اس دن سے ہی ان کا جذبہ یہ بن جاتا تھا کہ صرف آپکا کام کرنا ہے، اللہ نے انکے حالات بدل دیئے، انکی دشمنیاں ختم ہوگئیں، محبت ہوگئی، بھائی ہوگئے، انکی تنگیاں ختم ہوگئیں، برکتیں ہوگئیں.... بارش کے پانی کی طرح سے، اگر بارش کا پانی رک جاوے تو خیر ہے ہی نہیں، اور اگر بارش برس جاوے تو خیر ہی خیر ہے۔

زندگی سے خواہشوں کو ختم کریں:

اسلئے محنت سے حق تعالیٰ دنیا کے حالات بنانے والے ہیں، بدلنے والے ہیں، یہ پکی بات ہے، اس محنت کو اپنی زندگیوں کا جز بنائیں...... یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو زندگی اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ ذمہ داری کی زندگی ہے.... خواہشوں کی زندگی نہیں ہے، مسئلہ یہ بنتا ہیکہ زندگی خواہشوں پر چلی گئی، اس لئے اب ذمہ داری کی فکر نہیں ہے، ذمہ داری پوری نہیں ہو رہی ہے، جب ذمہ داری پوری نہیں ہوتی تو مدد بھی نہیں ہوتی، حق تعالیٰ شانہ کا یہ نظام ہے، کہ جو جتنی ذمہ داری پوری کریگا اتنی وہ اللہ کی مدد پائے گا، حضور ﷺ فرماتے تھے "المعونة على قدر المعؤونة" [شعب الإيمان / فصل في ذكر ما في الأوجاع .....حدیث نمبر:۹۹۵۴] اللہ کی مدد اتنی ہوگی جتنی ذمہ داری پوری کی

جائے گی، اسلئے یہ کام تو ذمہ داریوں کا ہے، اپنے آپ پر بوجھ لیکر کے...... برداشت کر کے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، ایک ذمہ داری اپنے کو دیندار بنانے کی ہوتی ہے، کہ ہر آدمی اپنے کو دیندار بناوے، جس طرح اپنے آپ کو تندرست رکھتا ہے...... خوشحال رکھتا ہے...... کھانا پینا ہے، ایسے ہی ایک ذمہ داری یہ ہیکہ ہر آدمی اپنے آپ کو دیندار بناوے، اور وہ دین کے کاموں کو سیکھے، دین کے کاموں کو کرے...... فرائض کو ادا کرے...... واجبات کو ادا کرے...... حلال کو حرام کو دیکھے! حقوق کو دیکھے! دوسروں کے اور اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ یہ ہر آدمی پر ضروری ہے، جیسے کھانا پینا کپڑا پہننا ضروری، اس سے زیادہ ضروری یہ ذمہ داری پوری کرنا ہے۔

اپنے دین کی حفاظت:

اسلئے کہ ہر آدمی سے اسکی قبر میں اسکے دین کو پوچھا جائیگا، چاہے وہ مومن ہو یا مومن نہ ہو، کہ وَمَا دِينُكَ؟ حضور ﷺ جب کسی کو دفن کر کے فارغ ہوتے تھے، تو لوگوں سے فرماتے تھے، کہ اپنے بھائی کے لئے دعا مانگو "اِستَغفِرُوا لأخِيكُم وسَلُوا لَهُ التَّثبِيتَ فَإنَّه الآن يُسأل" [سنن أبی داؤود/باب الاستغفا عند القبر: حدیث نمبر:۳۲۲۳] اس سے ابھی سوال شروع ہو جائیگا...... پوچھ تاچھ شروع ہو جائیگی، ابھی اسکے واسطے دعا کرو، اور خود بھی دعا مانگتے تھے، تو ہر آدمی سے اسکی قبر میں اسکا دین پوچھا جائیگا، اسی لئے اپنا دین بنا کر کے لے جانا، دین بنانے کے لئے اور دین قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے، یہ ہمارا اصلی کام ہے...... جب یہ اصلی کام ہوگا تو باقی کاموں میں رحمتیں..... اور برکتیں آئیں گی، اسلئے ایک ذمہ داری یہ ھیکہ اپنی ذات اپنے آپکو دیندار بنانا، اللہ نے فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الذِينَ آمَنُوا قُوا أنفُسَكُم وَأهلِيكُم نَاراً﴾ [التحریم:٦] اے ایمان والوں اپنے آپکو دیندار بناؤ! اپنے گھر والوں کو

دیندار بناؤ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اپنے گھروالوں کو دوزخ سے بچاؤ! دوزخ دیکھی نہیں ہے دوزخ کہاں ہے تو پھر کیسے بچائیں گے؟ حضرت علیؓ فرماتے تھے، کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو دین سکھاؤ!!! اپنے آپکو پابند کرو! اپنے اھل و عیال کو دین کا پابند کرو، تا کہ وہ بھی دیندار بنیں، اگر اپنے آپ کو دیندار نہیں بنایا...... تو انسان اپنی دنیا برباد کرے گا، کس فضولیات میں برباد کریگا؟ اپنی خواہشوں میں برباد کرے گا.......

اہل وعیال آخرت میں پکڑ کا سبب ہیں:

اور اسکی وجہ سے اسکے اھل وعیال ایسے ہی ہوجائیں گے، وہ بھی اسکی کمائی ہوئی دنیا کو کھا پی لیں گے، اور اسکے واسطے کچھ نہیں بچے گا، علماء نے لکھا ہے کہ "العِیَالُ سوسُ العَمَل" کہ آدمی کے اھل وعیال اناج کا کیڑا ہیں، گیہوں میں چاول میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، تو وہ کھانے کے کام کے بھی نہیں رہتے ...... اور اگنے کے کام کے بھی نہیں رہتے...... ایسے آدمی نے اپنی دنیا کمائی.....اپنی دنیا بنائی.....اور دین نہ اپنا بنایا نہ اپنے اھل وعیال کا بنایا تو وہ کھا پی لیں گے، اسکے لئے کچھ نہیں، العیال سوس العمل کہ آدمی کے اھل وعیال اسکے مال کا کیڑا وہ بھی کھا پی کر فارغ ہوجائیں......اور حق بھی ادا نہیں کرینگے، کیونکہ انہیں دین نہیں سکھایا.....دین سکھایا ہو!!! تو تب حق ادا کریں، حضور ﷺ نے نیک اولاد کی نشانی بتائی: کہ "ولد صالح یدعو له" نیک بیٹا وہ ہے جو اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد دعا مانگے، دعا مانگنا اسکے لئے نیکی کی علامت ہے، اسکے پاس دین ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگے گا، کیونکہ زندگی میں اسکو سکھایا تھا، وہ خود بھی دین پر رہا ماحول بھی گھروں کا دیندار رہا.....تو وہ ماں باپ کا حق ادا کرینگے.

دین کی محنت سے اندر ایمانی طاقت پیدا ہوتی ہے:

تو ذمہ داری ہے کہ اپنے آپکو دیندار بنانا ہے، یہ محنت اسی لئے ہے کہ اپنے اندر دین پر قائم رہنے کی طاقت پیدا ہو جاوے، اسلئے یہ محنت زیادہ بھاری لگتی ہے.....علاج کی طرح جیسے علاج بھاری لگتا ہے...... لیکن علاج اگر پورا کر لے تو تندرست ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنے سب کام کریگا..... کیونکہ تندرستی ہوگئی، حالت ٹھیک ہوگئی، وہ جماعت میں نکلا اندر سے طاقت پیدا ہوگئی، اس محنت سے اندر سے طاقت پیدا ہوتی ہے، اگر محنت پوری نہیں ہوئی، تو اسکو حکم بھاری لگتے ہیں..... وہ جان چراتا ہے، اور چھوڑ دیتا ہے، اور اگر محنت پر آجاوے تو گزری ہوئی زندگی کا بھی حساب سامنے آتا ہے، کہ میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں! ایک آدمی ساؤتھ انڈیا سے آیا تھا، پتہ نہیں کتنا وقت جماعت میں لگایا....اور گھر جانے کے بعد اٹھارہ برس کی زکوٰۃ ادا کی، اس نے کہا میں نے ایک سال کی بھی زکوٰۃ نہیں دی ہے، اور اسے پتہ نہیں تھا کہ اسکا کیا حق ہے؟ لیکن جب محنت ہوئی تو پانی پڑا، انکے لئے یہ محنت پانی ہے...... تو دلوں پر پانی پڑا، توبہ کا جذبہ پیدا ہوا، تو یاد کرتا ہے میں نے یہ بگاڑا، میرے اندر یہ بگاڑ ہے..... مجھے یہ سب ٹھیک کرنا ہے، وہ اللہ کے راستہ میں پھرے باتیں سنیں، صدقات کے فضائل سنیں، مولانا زکریا صاحب کی کتاب پڑھی اور سنی.....کہ مال کی زکوٰۃ کہاں لگانا؟ اور کہاں نہیں لگانا؟ اور مال لگاؤ گے تو کیا برکت ہوگی؟ اور نہیں لگاؤ گے تو کیا نحوست ہوگی؟ تو جو ایک سال کی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا، وہ اٹھارہ سال کی کیوں دے گا؟ ایک سال کی بھی زکوٰۃ دینے کی طاقت نہیں تھی! اتنی غفلت تھی! اتنی جہالت تھی! فضائل سنیں.....اور حساب نکالا کہ اتنے سال سے مالدار ہوں، کیونکہ زکوٰۃ بھول جانے سے معاف نہیں ہوگی.....

حقوق معاف نہیں ہوتے:

ہم لوگ امریکہ سفر میں تھے، تو یونیورسٹی میں عرب کے تین ہزار لڑکے تھے، جو تعلیم

لیتے تھے، ہم نے ان میں کام کیا، وہ یہاں آئے تو وہ یہ پوچھنے لگے کہ ہم یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے، اور روزہ تو رکھتے ہی نہیں تھے، تو کیا حکم ہے؟ رمضان کے روزے اپنے وقت پر رکھنا فرض ہے، اور نہیں رکھے ہیں تو قضاء کرنا بھی فرض ہے، تو انھوں نے کہا کہ ہم قضاء کریں گے، وہ جب آئے تھے تو ایسے ہی گرمی کا زمانہ تھا، میں نے کہا ہمارے ملک میں تو بہت گرمی ہوتی ہے، اور تم جماعتوں میں پھرو گے، اور روزے رکھو گے تو یہ بہت مشکل ہو جائے گا...... اسلیئے تم کو قضاء تو کرنی ہے..... تو وہ روزہ رکھنے کے لئے تیار ہو گئے، اس محنت کا بڑا اثر ہے، یہ محنت اس لئے نہ کرنا کہ چلہ پورا کرنا ہے.... چار مہینے پورے کرنا ہے..... نہیں!!! اس محنت سے حقوق ادا کرنے کی طاقت پیدا ہوگی، کہ دوسروں کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ اللہ کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ کیونکہ حقوق معاف نہیں ہوتے، وہ دینے ہی پڑیں گے...... جب تک حق والا معاف نہ کرے..... ہم ایک ملک میں گئے تھے، تو دیکھا کہ یہاں جماعت کی شوریٰ کے ایک ساتھی بہت ہی مالدار تھے، ہم لوگ مہمان تھے وہ میزبان تھے، ہمارا وہ اکرام کرتے تھے، کسی حادثہ میں وہ قتل ہو گئے، نیویارک میں اب انکا خاندان بچا ہے، تو وہ خاندان بھی کبھی ہم جاتے ہیں تو اکرام کرتا ہے! میرے ایک دوست مفتی صاحب تھے، وہ یہاں آتے جاتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ مفتی صاحب یہ ان مرحوم کا خاندان تو بہت ہی مالدار ہے، اور اب اسکا تو انتقال ہو گیا، تو کیا ان وارثوں نے ان کا مال تقسیم کیا؟ اور وارثوں کو مال مل گیا؟ تو لوگوں کو دینا لینا یہ صحیح ہے؟ نہیں تو جو مال آرہا ہے سب کا اس میں سے مال دینا کہاں صحیح ہے؟ تم انکو سمجھاؤ کہ حق داروں کا حق دے دو! کیونکہ یہ واجب ہے..... انھوں نے جا کر بات کی تو وہ تیار ہو گئے..... اسی کام میں لگے ہوئے تھے، انکو بتانے کی ضرورت تھی کہ کوئی رہبری کرے، انھوں نے اپنی ساری جائداد کو شریعت کے مطابق تقسیم کر لیا۔

حقوق کی ادائیگی کی فکر:

یہی اس کام کا اثر ہے، کہ لوگ دوسروں کے حقوق ادا کرنے لگیں گے، اور جب تک حقوق ادا نہیں کریں گے، تو چھٹکارا نہیں پائیں گے...... ایمان کی محنت سے ایمان تیار ہوتا ہے، تو حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے...... حلال حرام کی فکر پیدا ہوتی ہے..... اور یہی اصلی دین ہے، اور اسی دین کو لیکر دنیا میں پھرنا ہے.....تا کہ ایک ایک مسلمان کے اندر یہ بات پیدا ہو جاوے کہ یہاں مجھ پر ذمہ داری ہے، اپنے آپکو دیندار بنانا.....اور اپنے ماحول کو دیندار بنانا.....اور عالم میں دین پھیلے اسکی فکر کرنا.....تا کہ ہر ایک آدمی اپنے بارے میں فکر کرے.....کہ مجھ پر اللہ کا کیا حق ہے، اور اللہ کے بندوں پر کیا حق ہے؟ اور میری آخرت کیسے بنے؟ اس سے احسان زندہ ہوتا ہے، انصاف زندہ ہوتا ہے، بچوں میں اور اولاد میں دینداری آتی ہے، وہ حق ادا کرنے والے بنتے ہیں، خدمت کرنے والے بنتے ہیں، دین کے تمام کاموں کو پانی ملتا ہے، یہ تروتازہ ہوتے ہیں.

کام کو سمجھ کر کریں:

اسلئے اس محنت کو خوب سمجھ سمجھ کر کرو، جیسے دنیا کے کاموں کو ہم خوب سمجھ سمجھ کر کرتے ہیں، اسکے بارے میں سوچتے ہیں، ایسے ہی اس کام کو جو سمجھ کر کریگا وہ تو چلتا رہے گا، اور خدانخواستہ بے سوچے سمجھے اگر کرلیا تو بے سوچے چھوڑ بھی دیگا، چھوٹے بچے کی طرح سے.... چھوٹا بچہ کوئی چیز کہیں لے کر گیا وہیں چھوڑ کر آ گیا..... چھوٹا بچہ بغیر سمجھے چابی اٹھا کر لے گیا تھا..... اور بغیر سمجھے کہیں چابی چھوڑ کر چلا بھی آیا، وہ جانتا نہیں کہ چابی کی کتنی ضرورت پڑے گی! ایسے ہی بغیر سمجھے اگر اس کام میں چلے تو لوگ چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اسلئے ہم انکو یہ دعوت دیتے ہیں، کہ اس کام کو سمجھنے کی کوشش کریں! اللہ کا تقویٰ، اور اللہ کا خوف پیدا کرنے والا یہ عمل ہے، آدمی کو پابند کرنے والا عمل ہے..... حق ادا کرانے والا

عمل ہے.....اسکی زندگی پاک ہو جاتی ہے، حیات طیبہ ملتی ہے، اللہ کا وعدہ جو ایمان اخلاص اور اعمال کے ساتھ ہے، وہ پورا ہوگا...... اللہ انھیں جینے کے لئے پاک زندگی دیں گے، ﴿ولنحيينه حياة طيبة﴾ کہ ہم انھیں جینے کے لئے پاک زندگیاں دیں گے، تو دلوں میں چین..... آپس میں محبتیں..... اخلاق، صحت، دعا کی قبولیت کے اسباب، برکتیں..... یہ سب پاک زندگی کے آثار اور نشان ہیں۔

وقت کی حفاظت:

اللہ کے راستہ میں یہ مبارک وقت بڑا قیمتی ہے.....اپنے وقت کو قیمتی بنانے کی فکر کریں! جو پابند ہو کر وقت گزارے گا اسکا وقت قیمتی ہو جائے گا، اسے کام کی سوجھ سمجھ ملے گی.....اللہ کا ڈر ملے گا.....پھر وہ اللہ کے ڈر کے ساتھ زندگی گزارے گا، یہ بہت بڑی بات ہے، صحابہ کو اللہ کا ڈر ملا.... اسلئے سب پابند ہو گئے..... بیمار بھی پابند، امیر بھی پابند غریب بھی پابند، کیوں کہ اندر ڈر آیا، یہ ڈر آدمی کو حق کی طرف چلاتا ہے.... ناحق سے بچاتا ہے، اور آخرت کا ڈر اس کام سے ملتا ہے، آدمی اس کام کے کرنے کے لئے، حق ادا کرنے کے لئے، کوئی گناہ کی بات ہے تو چھوڑنے کے لئے اسکے اندر طاقت پیدا ہو جاتی ہے،

کام کی سمجھ اللہ سے مانگیں:

اس کام کو سمجھ سمجھ کر کریں، موت تک اسکو کرنا ہے، جو سمجھ کر کریگا وہ نہیں چھوڑ سکتا، صحابہ کے بارے میں ہے کہ کوئی بھی صحابی ایمان لانے کے بعد پھرا اپنے ایمان سے پھرا نہیں ہے، دوسرے لوگ پوچھتے تھے کہ جو ایمان لاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر پھر وہ پھر جاتے ہیں؟ فرماتے کہ نہیں! کوئی نہیں ہٹتا کہ حق کی یہی نشانی ہے، جسکے دل میں حق جم گیا پھر چھوڑے گا نہیں.... چھوڑ کے واپس کوئی نہیں آتا، کہ بڑھتے ہیں یا گھٹتے

رہتے ہیں؟ کہا کہ بڑھتے رہتے ہیں.....زیادہ ہوتے رہتے ہیں؟ایمان کی یہی شان ہے، کہ اللہ کی طرف بڑھاتا ہے.....لوگوں سے ہماری یہ درخواست ہیکہ اسے سمجھ سمجھ کر کریں، اور اللہ سے اسکی سمجھ مانگیں، حدیث میں ہے کہ جسکے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کریگا اسے دین کی سمجھ دیگا، ورنہ دنیا کی سمجھ ملتی ہے، تو آدمی لالچی ہوجاتا ہے، ہوس میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور دین کی سمجھ ملتی ہے تو اللہ کا حق ادا کرنے والا، اللہ کی مخلوق کا حق ادا کرنے والا، اپنے آپ کو سنبھالنے والا بن جاتا ہے.....اسلئے اللہ تعالیٰ سے دین کی سمجھ مانگنی ہے۔

محنت سے زندگی کا رخ صحیح ہوگا:

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک محنت دی ہے میرے دوستو! اس محنت کا مقصد ہے کہ زندگیاں حق کی طرف مائل ہوجاویں، ہم اپنے کو موت تک قائم رہنے کے لئے کریں، اسکے تو دو رخ ہیں.....ایک محنت کا رخ، جو میں نے آپکو سمجھایا ہے، اور دوسرا رخ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، یہ بھی اسکا حصہ ہے، پیغمبروں کو اللہ نے دعوت کا بھی کام دیا...... اور دعا کا بھی کام دیا، نبیوں کی زندگی میں دعوت دعا دونوں ہوتے تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں لمبی دعا مغرب تک مانگی ہے۔

اللہ کی جانب سے پر امید رہیں:

محنت پر بھروسہ نہیں کرنا ہے..... محنت تو امید کے لئے ہے..... ہم نے محنت کی ہے اب اللہ نوازنے والا ہے، جیسے زمین دار زمین پر محنت کرلیتا ہے پھر اللہ سے امید لگالیتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے دیگا، ایسے اللہ تعالیٰ سے امیدیں کرنی ہیں، اور محنت اچھی بنانی ہے، اللہ سے اچھا گمان رکھنا ہے، کیوں کہ بعض مرتبہ آدمی پر حالات آجاتے ہیں، بیماری آجاتی ہے..... یا کوئی اور دوسری تکلیف آگئی...... وہ سوچتا ہے کہ میرا تو تعلق دعوت

سے ہے میرے ساتھ یہ حالات کیوں آئے؟ایسا نہیں ہے! حالات تو نبیوں پر بھی آئے ہیں، کیوں کہ ان حالات سے اللہ تعالیٰ انکو ترقی دیتے ہیں.....تنگیاں آئیں.... تکلیفیں آئیں......دشواریاں آئیں..... تو جس طرح کام کے ذریعہ سے اللہ ترقی دیں گے، اسی طرح حالات کے ذریعہ بھی اللہ ترقی دیں گے۔

صبر کا نتیجہ اچھا ہوتا ہے:

ناگوار حالات آویں تو صبر کرلو! اسکا نتیجہ اچھا آویگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بعض حالتیں ایسی ہیں کہ تمہیں پسند نہیں ہیں مگر حقیقت میں وہ تمہارے لئے اچھی ہیں، بعض حالتیں ایسی ہیں جو تمہیں اچھی لگتی ہیں مگر حقیقت میں وہ تمہارے لئے اچھی نہیں ہیں، اللہ اسکو روک لیتا ہے، پھر فرمایا اللہ جانتے ہیں تم جانتے نہیں ہو؟ اسلئے بعض مرتبہ ناگوار حالات آتے ہیں تو شیطان آدمی کو ناامید بناتا ہے.... کہ میں تو اتنے عرصہ سے کام کرتا ہوں! اور میرے حالات ایسے ہیں! نہیں نہیں! تمہارے حالات تمہاری ترقی کے لئے ہیں! اسکے پیچھے تمہاری ترقی چھپی ہے، جیسے مریض پرہیز کرتا ہے، پرہیز کا کھانا کھاتا ہے، تکلیف اٹھاتا ہے، اسکے پیچھے اسکی تندرستی چھپی ہوتی ہے، ایسے ہی اسی کام میں ناگوار حالات میں اللہ تعالیٰ خیر کا دروازہ کھولتے ہیں، کوئی نہ گھبروائے! اور نہ ہی شیطان کسی کو ناامید کرے...... بلکہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھو! حدیث شریف میں ہے کہ میں بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرے گا، ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان کریں اللہ تعالیٰ جو کرتے ہیں حکمت سے کرتے ہیں.....جو وہ کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔

دعا کی فضیلت و اہمیت:

حالات میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، دعا اسی لئے بتائی گئی ہے کہ تمہارے

حالات کا مقابلہ تمہاری دعاؤں سے ہوگا......... تمھاری دعاؤں سے تمھارے حالات پلٹیں گے، حدیث ہے کہ جب دعا اوپر جاتی ہے تو وہ دعائیں بلاؤں کو نیچے نہیں آنے دیتیں......دعا مانگنے والا تو مر گیا، اسکی زندگی پوری ہوگئی لیکن اسکی دعائیں بلاؤں کو اب تک زمین پر آنے نہیں دیتیں......دعا مانگنا عبادت ہے...... دعا خوب مانگیں، دعا میں جی نہ لگے تو بھی دعا مانگیں...... تنہائی میں بھی دعا مانگیں......اپنے گناہوں کی معافی مانگیں....... اپنے گناہوں سے توبہ کریں...... اس سے دل نرم ہوجاتا ہے، رونے سے دل نرم ہوجاتا ہے، پھر دعا میں بھی دل لگنے لگے گا، اس طرح اپنے آپ کو دعاؤں کا عادی بنائیں! کوئی بات ہو، کوئی مسئلہ آئے، سب سے پہلے اللہ سے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگیں گے، ہمارے پاس موقع ہے دعائیں مانگنے کا..... چنانچہ رات کے آخری حصہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں...... فرض نمازوں کے بعد دعائیں قبول ہوتی ہیں.......تو اس کام کا ایک حصہ دعا کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے دعائیں مانگنے، توبہ کرنے، واویلا کرنے کی توفیق دیتے ہیں، اگر کوئی انسان اللہ کے سامنے عاجزی کرتا ہے..... واویلا کرتا ہے....روتا ہے.....تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی خیر دینے کا ارادہ کیا ہے۔

فارسی کا ایک شعر ہے جس کا مطلب یہ ہے

کہ جب اللہ خیر دینے کا ارادہ کرے گا تو پھر اسے رونے دھونے عاجزی کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے، پھر وہ اللہ کے سامنے تنہائیوں میں روتا ہے...... اپنے مسئلے رکھتا ہے.... اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے.......اپنے حالات اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے...... اپنی حاجتیں مانگتا ہے، اپنے اوپر دعاؤں کے دروازے کھلواتا ہے! جسکے لئے

دعا کا دروازہ کھلا اسکے لئے قبولیت کا دروازہ کھلا نہیں تو پھر دل سخت ہو جاتے ہیں، تو دعا نہیں مانگتے اور پھر دعا میں دل نہیں لگتا، اسلئے اللہ کے راستے میں جس طرح دعوت میں محنت کریں اسی طرح دعا میں بھی اپنے آپ کو لگاویں. ہمارے بڑوں نے دعاؤں سے بڑے بڑے کام اللہ تعالیٰ سے بنوائے ہیں، ان کے بڑے بڑے کام دعاؤں سے ہو گئے، جو نہیں ہوتے تھے، ناممکن تھے۔

ہر حال میں دعا مانگیں:

دعا کا مطلب یہ ہیکہ میں اسے نہیں کرسکتا اے اللہ تُو اسے اپنی قدرت سے کر دے! اس لئے اللہ کے راستہ میں پھرنے کے زمانے میں بھی...... واپس آنے کے زمانے میں بھی...... تکلیف آویں تو بھی..... بیماری آوے تو بھی..... اور اللہ خوشحال رکھیں تو بھی دعائیں مانگتے رہیں، یہ نہیں کہ خوشحالی میں بھول گئے، جب کوئی پریشانی آئی تو دعا کے لئے نیک بندوں کے پاس بزرگوں کے پاس جاتے ہیں،، یہ بات کمزوری کی ہے، بلکہ ہم تو ہر وقت اللہ کے محتاج ہیں، اسلئے ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگیں! چھوٹی چیز بھی مانگیں بڑی چیز بھی مانگیں!!! ہمارا مزاج دعا والا بنے...... تمام نبی دعا والے، تمام اللہ کے نیک بندے دعا والے، انکے کام دعاؤں سے ہوئے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں دعا مانگی، بڑھاپا بھی اتنا تھا کہ گوشت لٹک گیا ہے...... کھال لٹک گئی ہے..... ایسا بڑھاپا تھا، اور بیوی بھی...... اب داعیہ پیدا ہوا کہ کوئی بیٹا پیدا ہو، جو میرے بعد کام کرے، تو اللہ تو قدرت والے ہیں، ہر کام کو اپنی قدرت سے کرتے ہیں، نبی نے بڑی بڑی دعائیں مانگیں..... صحابہ نے بڑی بڑی

دعائیں مانگیں......جو ناممکن تھا وہ ممکن ہو گیا....... اسلئے اپنے آپ کو پر امید کر کے اللہ سے تعلق پیدا کریں، پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھیں! اور پھر اپنی دعا مانگیں ....اور دعاؤں میں پہلے گناہوں کی معافی مانگو! تا کہ اللہ سے ہمارا معاملہ صاف ہو جاوے .... صلح ہو جائے .....توبہ کریں! اپنی حاجتیں! مانگیں جب بھی کوئی مسئلہ پیش آوے..... جماعتوں میں بھی......اور بعد میں بھی تو سب سے پہلے اپنے آپ کو دعا میں مشغول کریں، دعا تو مؤمن کا ہتھیار ہے، دعاؤں سے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں، اور آئیندہ بھی ہونے والے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاؤں کا ذخیرہ دیا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دعائیں ہم کو سکھائی ہیں...... اور دعاؤں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں بے شمار دعائیں وارد ہوئیں ہیں.... اس کام کی دعا ہے، اس کام کی یہ دعا...... اور بیماری کی یہ دعا..... اور بڑی پریشانی کی یہ دعا..... پہلے دعائیں یاد کریں اور پھر موقع پر دعا مانگیں......ابی ابن کعبؓ نے کہا کہ ہم سفر میں تھے، بارش ہوگئی.....تو ہم نے دعا مانگی! اے اللہ بارش سب کے کام کی ہے ہوتی رہے، لیکن میرا کپڑا نہ بھیگے، جب قافلہ منزل پر پہونچا تو انکے سامان اور کپڑے سوکھے ہوئے تھے، باقی لوگ کے بھیگے ہوئے تھے، تو لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہوا کہ تمھارے کپڑے خشک ہیں؟ اور باقی لوگ بھیگے ہوئے ہیں؟ تو لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی۔

یقین والی دعا مانگیں!

یہ دعا یقین والی ہے، ظاہر والی نہیں ہے، لوگ ظاہر والی دعا کرتے ہیں، تو ظاہر والی

دعا مت کرنا، اللہ کو آزمایا نہیں جاتا...... پہلے یقین پیدا کرو جب یقین پیدا کرو گے پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے...... کہ یہ ہوسکتا ہے کہ نہیں ہوسکتا؟؟ کہ ہوتو نہیں سکتا، ہوتو نہیں سکتا، لیکن اللہ کرنے والا ہے، اسکی حکمت کا تقاضا ہوگا تو کردیگا، اور اگر اسکی حکمت کا تقاضا نہیں ہوگا تو نہیں کریگا پھر قبولیت ظاہر نہ ہوتو وہ ناراض بھی نہیں ہوتا ہے......اور ناامید بھی نہیں ہوتا...... کیوں کہ اللہ حکمت سے بھی کرتے ہیں قدرت سے بھی کرتے ہیں...... قدرت سے تو سب کچھ کرنے پر قادر ہے، لیکن حکمت سے بعض مرتبہ نہیں کرتے، کیونکہ اس وقت اللہ کی حکمت کا یہی تقاضہ ہے، میں نے اسکو اسلئے سنایا کہ یہ حضرات اللہ پر بڑا یقین رکھتے تھے، میری حاجت ہے اور اللہ کی قدرت ہے، تو وہ مانگتے اور اللہ تعالیٰ انکی مدد کرتے تھے، نبیوں کی مدد معجزوں سے ہوتی ہے، اولیاء کی مدد کرامتوں سے ہوتی ہے، عام مسلمانوں کی مدد اعانت سے ہوتی ہے، یعنی اللہ انکی مدد کے لئے ان کی دعاؤں پر کوئی اسباب پیدا کردیتے ہیں، وہ کام بن گیا۔

ناامید نہیں ہونا چاہیئے:

اللہ تعالیٰ سے امیدوار بن کر اپنے گناہوں کی معافی روزانہ مانگنا چاہیئے، توبہ کرنا فرض ہے، کیوں ہم سب گناہ گار ہیں، حدیث شریف میں ہے: اے میرے بندوں تم سب خطا کار ہو، اسلئے توبہ کریں! اپنے گناہوں کی روز معافی مانگیں! خدانہ خواستہ موت آجائے تو توبہ والی زندگی کے ساتھ...... تو یہ برکت کی موت ہوگی، کیوں کہ بری موت وہ ہے جسے توبہ کی توفیق نہیں ہوئی، اور وہ مرگیا.... اسلئے اس راستہ میں اپنے آپ کو توبہ کا اور اللہ سے دعائیں مانگنے کا عادی بنائیں، تاکہ ہم دعوت والے بھی بنیں اور دعا والے بھی بنیں....... حقوق کو ادا کرنے والے بھی بنیں اور اس کام کو لے کر دنیا میں چلانے پھیلانے والے بھی بنیں۔

دعوت اور دعا امت کے کام ہیں:

یہ اس امت کا کام ہے، یہ امت اپنے نبی کے اس کام کو سنبھالے گی، اپنے دین کی نصرت کرے گی، اور نصرت کی مثال ایسے جیسے پانی برستا ہے، تو زمین زندہ ہو جاتی ہے، دین کی نصرت ہوئی تو دین زندہ ہو گیا، اور پانی کٹ گیا تو سب چیزیں مردہ ہو جاتی ہیں، ایسے ہی نصرت ختم ہو گئی تو پھر لوگ یہ بھی نہیں جانیں گے کلمہ کیا ہے....... سب چیزیں چھوٹ گئیں..... کیوں کہ پانی کٹ گیا، ہم نے اسلامی ملکوں کا سفر کیا، ایک جگہ نماز کا وقت آیا تو میں نے کہا ظہر کا وقت ہو گیا ہے نماز پڑھ لیں، ایک عرب ساتھی تھا، اس نے قسم کھا کر کہا: خدا کی قسم میں نماز جانتا ہی نہیں ہوں، یہ حال ہو گیا ہے..... نماز جانتے ہی نہیں، اور اسلامی ملک میں رہ رہے ہیں، اور ایسا نہیں کہ غیر اسلامی ملک ہو، یہ کیوں؟ کہ دین کی محنت چھوٹ گئی، پانی کٹ گیا، تو اب نماز ایک نام رہ گیا ہے، الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، اور یہ محنت جاری کی، اب لوگ صرف نماز پڑھتے ہی نہیں ہیں، بلکہ نماز زندہ کرنے کی محنت بھی کرتے ہیں، حکموں کو زندہ کرنے کی محنت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکے واسطے قبول فرمالے، اسلئے ہم دعوت والے بھی بنیں دعا والے بھی بنیں، انشاء اللہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان نمبر (۵)

﴿۲۰۰۹/۰۳/۱۴، انکلیشور﴾

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً، أما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلًا مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

میرے پیارے بھائیو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کو ذمہ داریوں کی جگہ ٹھہرایا ہے، اور دنیا ہے کیا؟؟.... تو دنیا ذمہ داریوں کے پورا کرنے کی جگہ ہے، جو طاقتیں جو صلاحیتیں دی گئیں ہیں وہ ذمہ داریوں کے لئے دی گئیں ہیں، شروع سے یہی بات ہے کہ زندگی ذمہ داری کے لئے ہے، بلکہ زندگی نام ہی ہے ذمہ داری کا..... اگر ذمہ داری پوری ہوگئی تو زندگی کا انجام و مآل اچھا......... اور حال بھی اچھا، دونوں......... حال اور مآل........ یعنی موجودہ اور آئندہ دونوں جگہ خیر ملے گی، نہیں تو دونوں جگہ سے خیر اٹھ جائے گی.

ضابطہ بندگی:

اور ضابطہ بتایا کہ ''زندگی بے بندگی شرمندگی''، ''زندگی بر بندگی خوش بندگی'' کہ جس نے زندگی کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا اسکو شرمندگی اور حسرت ہوگی، اور جس نے زندگی کی ذمہ داری پوری کی اسکو خوشی ہوگی، یہ ذمہ داریاں امانت داری سے پیدا ہوگی ...... یہ بھی اک تقاضہ ہے کہ اسے امانت داری کے ساتھ پورا کیا جائے، اور امانت داری سنبھالنے کے لئے ایمان دیا...... جی ہاں ایمان امانت داری سنبھالنے کے لئے دیا گیا ہے تا کہ ایمان والے اپنے زندگی کے کاموں کو اور زندگی کی ذمہ داریوں کو امانت داری سے پورا کریں...... پھر نہ چالاکیاں ہوں گی، نہ ہی بے ایمانی ہوگی، اور نا ہی خیانتیں ہوں گی، یہ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی، کیونکہ کام کرنے کے بہت سے راستے ہوتے ہیں، مگر صحیح راستہ ایک ہی ہے، باقی سارے راستے بگاڑ اور فساد کے راستے ہیں.

ایمان اسی لئے دیا گیا تھا کہ.......... اللہ ایک ہی ہے، وہی دیکھے گا، وہی پرکھے گا، وہی پوچھے گا، وہی سزا اور جزا کا حکم قائم کرے گا.......... اللہ ہی کے وعدیں ہیں، اللہ ہی کی وعیدیں ہیں، اور یہ سب اس لئے ہیں کہ زندگی کے کام پورے ہوں، اور امانت داری کے ساتھ پورے کئے جاویں.

اس لئے جن لوگوں نے اس مضمون کو سمجھا وہ ہمیشہ ڈرتے ہی رہے.......... صحابہ کی اکثریت دنیا سے روتی ہوئی گئی .... رو رہے ہیں، کیوں رو رہے ہیں؟ کیا انہوں نے کام کو بگاڑا؟ نہیں!!! بلکہ یہ کام ہی ایسا ہے کہ جو زیادہ سمجھے گا وہ زیادہ ڈرے گا، دوسرے فنون میں یہ ہے کہ...... جو زیادہ سمجھے گا وہ زیادہ جری ہوگا....... اور زیادہ بے فکر، کہ کوئی بات نہیں کرلیں گے..... اور یہاں؟ یہاں جتنا کیا اتنا ڈر.... ''إِنِّی لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰہ وأَتْقَاكُمْ لَہُ'' [سنن ابن حبان، باب ماجاء فی فضل الطاعات وثوابها

.... حدیث نمبر: ۳۱۷] یہ کون فرمارہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں، یہ خاص بات ہے کہ جو زیادہ سمجھے اور جسے زیادہ معلومات ہوں وہی زیادہ ڈرے گا، صحابہ اکرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "**ليست له راحة**" [**شعب الإيمان / فصل في خلق الرسول** ﷺ، حدیث نمبر: ۱۴۳۰] کہ آپ کے لئے راحت تھی ہی نہیں، یہ اصلی کیفیت ہے.

اسی کی وجہ سے یہ کام رسمیت سے بچے گا، ورنہ رسمیت سے نہیں بچ سکتا، اس طرح اس کام میں صداقت آئے گی، حقیقت آئے گی، کیوں؟ اس لئے کہ ڈر ہے، ذمہ داری کا احساس، کہ قیامت میں پوچھ ہوگی. اور کون پوچھیں گے؟؟؟ کہ.... اللہ.

سارے انبیاء ڈریں گے، حالانکہ وہ معصوم ہیں، اور ان کے لئے بشارتیں ہیں، ﴿**إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَي أُولئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ**﴾ [الأنبياء / ۱۰۱] لیکن سب سے زیادہ وہی ڈریں گے، اللہ کو جواب دینا ہے، یہی زندگی کی ذمہ داری ہے.

احساس ذمہ داری:

میرے دوستو! دین زندگی کے تمام پہلوؤں کو لیئے ہوئے ہے، ایمانیات اسکے اندر ہے، عبادات اسکے اندر ہیں، معاشرت ورہن سہن اسکے اندر ہے، معاملات ولین دین اسکے اندر ہے، اخلاق اسکے اندر ہیں، اسلئے ایمان والے کی ذمہ داری ہے، اور ایسی ذمہ داری ہے جیسا کہا گیا ہے، یہی اصل ڈر کی بنیاد ہے، کہ جیسا کہا گیا ہے ویسا کر کے لاؤ، ﴿**فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ**﴾ [سورہ ہود، آیت: ۱۱۲] استقامت بتاؤ، پابندی بتاؤ جس طرح حکم دیا گیا ہے، یہ سورہ ہود کی آیت ہے، اور حضور اسکے بارے میں فرماتے ہیں "**شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ**" [**رواه الترمذي، باب ومن سورة الواقعة**، حدیث نمبر: ۳۶۰۹] مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کردیا، یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے، کوئی معمولی بات

نہیں ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم المرتبت ذات، سید البشر یہ فرمائیں کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کردیا، کیوں؟؟؟ اسلئے کہ جیسا حکم ملا ویسا کر کے آؤ، ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ﴾ [سورہ ہود، آیت:۱۱۲] یہ ہمکو حکم ملا ہے، کہ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے اور توبہ کی تو کام بھی ویسا کر کے لائیں جیسا حکم ملا، اسی وجہ سے کام کرنے والے لوگ دنیا سے روتے روتے گئے، کیوں کہ اب جواب دینا ہے۔

غرور قبولیت کو روک دیتا ہے:

اور یہ پورے دین کی ذمہ داری ہے، ﴿اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ [سورہ البقرة، آیت: ۲۰۸] پورے دین میں داخل ہو، پورے دین کی ذمہ داری لو، یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے اتنا کرے مگر اسپر مطمئن نہیں ہونا ہے، بلکہ آگے دیکھنا ہے کہ کتنا باقی رہ گیا ہے....... اور شکر کرتے رہنا ہے، کیوں کہ وہ بندہ ہونے کی صفت ہے، کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی یہ کام ہوگیا....... تو شکر گذار بنیں تا کہ غرور نہ پیدا ہو، اگر کام میں غرور پیدا ہو گیا تو قبولیت رک جائے گی، غفلت پیدا ہوئی تو تکمیل نہیں ہوگی، کام پورا نہیں ہوگا کیوں کہ کام میں غافل ہوا ہے، جیسے کوئی نماز سے غافل ہوا تو اسکی رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں، اسکی جماعت چلی جاتی ہے، اور بعض مرتبہ قضی بھی ہو جاتی ہے، ایسا کیوں ہوا؟؟؟ کیوں کہ سو گیا تھا تو غفلت کی تاثیر یہ ہے کہ وہ تکمیل نہیں ہونے دے گی، اور غرور کی تاثیر یہ ہے کہ وہ قبول نہیں ہونے دے گا.........

کیوں کہ غرور کرنے کا ہمکو حق نہیں ہے، کہ یہ کام ہم نے کیا......تو یہ شخص مدعی ہو گیا۔

داعی اور مدعی کا فرق:

داعی اور مدعی میں فرق ہوتا ہے، ایک مدعی ہے کہ ہم نے کیا، تو اسکی مدد نہیں ہوگی ....کیوں کہ یہ مدعی ہے، کہ..........ہم نے کیا۔ آپ نے کیسے کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں:﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى﴾ [سورہ:الأنفال، آیت ۱۷]
اے نبی دشمنوں پر جو کنکری آپ نے پھینکی ہے وہ آپ نے نہیں پھینکی وہ تو اللہ نے پھینکی ہے، اسمیں تو اللہ کی طاقت تھی، تو جتنا کام ہوا ہے، وہ اللہ کی طاقت سے ہوا ہے، تمہاری طاقت سے نہیں ہوا،

اس لئے ہم اپنے عمل کو غرور سے بچاویں، اور شکر کریں، کہ اے اللہ تیری توفیق سے ہوا ہے، اگر اللہ توفیق نہ دیتا تو کچھ نہیں ہوسکتا. شیخ سعدی نے قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ کیا ہے، کہ....

جہاں آفریں گر نہ یاری کند کجا بندہ پرہیز گاری کند

اس لئے شکر گذار بنیں تا کہ نعمتیں اور آویں، جس کام کا شکر ہوا اسمیں اضافہ ہوگا، اور جس نعمت کا شکر ہوا اسمیں اضافہ ہوگا، اللہ تعالی اسکو اور دیں گے، اور جس کام میں غرور آیا اسکو رد کریں گے.

غرور اور غلو:

مدینہ منورہ میں ہمارے ایک ساتھی تھے، وہ ہم لوگوں سے فرمارہے تھے کہ دیکھو تمہارا کام بہت اونچا ہے...... مگر دو غین سے بچنا. وہ دو غین کون سے ہیں؟ ایک غرور کا غین..... دوسرا غلو کا غین.

اگر غرور آیا تو بات رد ہوجائے گی، کیونکہ غرور ایک خیالی چیز ہے، میں کرتا ہوں..... میں ایسا ہوں، یہ تو ایک خیالی بات ہے......... کام تو سارے اللہ تعالی کے فیصلے سے ہوتے ہیں. اور غلو کہتے ہیں مذہب میں آگے بڑھ جانے کو. مذہب کے حدود سے آگے نکل جانے کو غلو مذہب میں ہی ہوتا ہے جیسے اسراف اور تبذیر دنیا میں ہوتا ہے، فضول خرچی ہوتی ہے، اس لئے دین کے کاموں میں غلو سے بچو! اور اعتدال رکھو، میانہ پن

رہنے دو.........اسکی جو حدود بتائیں ہیں وہیں تک رکھو. ان حدود سے آگے نہ جاؤ، جیسے پہلے زمانہ میں پہلی قوموں نے کیا تھا. کسی کو آگے بڑھا دیا، جیسے عیسی علیہ السلام کو خدا بنا دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا، یہ ہے غلو... یہ حد پر قائم نہیں رہے.. کہ وہ بھی نبی تھے اور یہ بھی نبی ہیں، انکی تابعداری انکے زمانہ میں، اور انکی تابعداری انکے زمانہ میں، یہ سیدھا راستہ ہے.

اپنے کو صحیح راستہ کا پابند بنانا ہے:

اس لئے کام کو حد پر باقی رکھنا ہے، اس سے صحیح نتیجہ نکلے گا، جیسے کوئی گاڑی اپنی لائن پر چلے تو وہ اپنی منزل پر چلی جائے گی اور آخر تک پہونچے گی....... کیونکہ وہ اپنی حد پر ہے، تو کام کی حفاظت کرنی ہے اور ان چیزوں سے دین کے کام کو بچانا ہے........ استقامت میں یہ شامل ہے، پابند رہنے میں یہ شامل ہے، اپنے کو کام میں پابند بنانا ہے اور صحیح طریقہ سے بنانا ہے............ پوچھ کر چلنا ہے، مان کر چلنا ہے، کیوں کہ مان کر چلنے سے عمل وجود میں آئے گا، اور جو پوچھ کر چلے گا وہ غلطی سے محفوظ رہے گا، جو مان کر چلے گا وہ عمل کو پورا کرے گا، یہ ہمارے کام کا صحیح رخ ہے، اور اسی رخ پر اپنے آپکو چلانا ہے، تا کہ دین کا یہ کام صحیح طریقہ پر چلتا رہے.

استقامت کی وجہ، اور اسکی ضرورت:

ایک تو ہماری ذمہ داری استقامت کی ہے، کہ اپنے کو دین پر باقی رکھنا ہے ....قائم رکھنا ہے، استقامت کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ دنیا کو اللہ تعالی نے حالات کا گھر بنایا ہے، یہاں مختلف قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں، ان حالات میں پابند ہو کر چلنا ہے، بعض مرتبہ انسان کی زندگی میں ناگوار حالات پیش آتے ہیں، تو اسکو ان ناگوار حالات میں کیا کرنا چاہیئے ؟؟؟. ایک تو یہ کہ ناگوار حالات میں کام چھوڑ دے.... تو

چھوڑ دینا کوئی علاج نہیں، اگر چھوڑ دو گے تو کب کرو گے؟؟؟ یہ طریقہ نہیں ہے کہ نا گوار حالات آویں تو کام کو چھوڑ دو.....اسکا طریقہ یہ ہے کہ پوچھو.........کہ یہ حالات ہیں ہم ان حالات میں کام کیسے کریں؟ جیسے کوئی بیمار ہو جائے تو وہ بیماری کی نماز کا مسئلہ پوچھے.... یہ طریقہ نہیں ہے کہ نماز چھوڑ دے، کیونکہ بیماری کی نماز کا بیان الگ ہے۔. یہ طریقہ نہیں ہے کہ نماز چھوڑ دے، بلکہ بیماری میں نماز اور زیادہ پڑھنی چاہئیے کیونکہ مرنے کا وقت ہوتا ہے،تو نماز پوچھ کر پڑھے.

استقامت کی راہ:

عمران ابن حصین بیمار ہو گئے اور بہت بیمار رہتے تھے .وہ بیماری کی نماز کا مسئلہ پوچھتے تھے..کہ میں کیسے نماز پڑھوں؟؟؟ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ میں بیمار ہوں تو نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟. یہ پوچھتے تھے کہ کیسے پڑھوں؟؟ پڑھنا تو ہے ہی......اسی سے استقامت اور پابندی پیدا ہوتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ پوچھو گے تو راستہ ملے گا. چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکو نماز پڑھنے کے طریقے بتاتے تھے، بیٹھ کر پڑھ لو، اشارہ سے پڑھ لو، اور لیٹ کر پڑھ لو وغیرہ وغیرہ،تو بہت سی چیزیں ہلکی ہو گئیں.

اسی طرح حضرت علی کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی،تو وہ آئے یارسول اللہ ہڈی ٹوٹ گئی؟؟؟ تو فرمایا..... جوڑ لو! پٹی باندھ لو! مسح کر کے نماز پڑھ لو....ایسی مثالیں صحابہ کے حالات میں بہت ملیں گی، حالات میں کام کرنا ہے.....تو پوچھو......راستہ مل جائے گا،لوگ وکیلوں سے پوچھتے ہیں کہ نہیں پوچھتے؟؟؟ کیوں پوچھتے ہیں؟؟؟ کچہری کے حالات آ گئے، مسئلہ کھڑا ہو گیا،تو کس سے پوچھو گے؟؟؟ مسجد وار جماعت سے؟؟ نہیں... بلکہ وکیل سے.... یہ مسئلہ وکیل سے متعلق ہے،وکیل سے پوچھو.

اسی طرح بیماری آ گئی....تو ڈاکٹر سے رجوع کرو شریعت کا مسئلہ آیا..تو عالم صاحب سے

معلوم کرو. کہ ہماری میراث کا جھگڑا ہے...شریعت کا کیا حکم ہے؟؟؟ یہ استقامت کا راستہ ہے.

ایک حکم کی ادائیگی کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں:

اسی طرح دین کے کام میں کوئی مسئلہ آیا تو اسکے بارے میں ذمہ داروں سے پوچھو! کام مت چھوڑو! اس سے کام آسان ہوگا اور آسان ہوگا. اور آدمی عمل سے کٹے گا نہیں. اس سے رہبری ملے گی، حکم ایک ہوتا ہے طریقے بہت ہوتے ہیں، یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے، یہ محاسن اسلام کہلاتا ہے، کیونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں....تو انکے لئے مختلف طریقے ہوتے ہیں، پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتی، کہ ملیٹری کی طرح کہ سب ایک ساتھ پاؤں اٹھاویں.

چنانچہ ہر آدمی جس حال میں ہو اس حالت کا حکم معلوم کر کے اس پر پابند رہے، اور حکم نہ چھوٹے.... پوچھ کر چلے.... مان کر چلے... یہ اجمال ہے، پوچھ کر چلو، مان کر چلو، تا کہ پابند رہو....اور استقامت رہے، اور استقامت ضرورت ہے.... حالات الگ الگ ہوتے ہیں مگر کسی حال میں بھی کام چھوڑنے کی اجازت نہیں، بلکہ عمل کرنے کی آسان شکلیں آپکو ملیں گی. اس سے کام بڑھے گا اور مختلف لوگوں کے لئے کام کی راہیں کھلیں گی.... پابندی نصیب ہوگی.

کام میں پابندی کے ساتھ اور پوچھ کر چلنا ہے:

کام کرنے میں اپنے آپکو پابند بنائیں، پوچھ کر چلو........مان کر چلو، تا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ آوے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہدایت دیتے تھے: **"إنما شفاء العی السوال"** [رواہ أبوداؤد عن جابر ، رقم الحدیث: ۳۳۶] تم ہار جاؤ تھک جاؤ تو اسکا علاج ہے.....سوال....سوال کرو، کہ کیا کروں؟؟؟ یہ نہیں کہ ہار تھک کر چھوڑ دیا، جس لائن کا کام ہے اس لائن کے لوگوں سے پوچھو! تبلیغ کا کام ہے تو میاں جی سے

پوچھ لو! شریعت کا کام ہے تو پھر میاں جی سے نہیں. پھر مفتی صاحب سے پوچھو، کورٹ کا کام ہے تو وکیل سے ...... بیماری کا مسئلہ ہے تو ڈاکٹر سے حکیم سے پوچھو! یہ طریقہ ہے اس سے کام صحیح ہوگا. اور کوئی بیکار نہیں رہے گا، ذمہ داری پوری کریگا، پھر کام آسان ہوجائے گا، اور جو اپنی رائے سے کرے گا، غلط کرے گا...... ایک مرتبہ میری کمر میں درد ہوگیا، تو ہمارے حکیم نے دوا بتائی،، میں نے وہ دوا کھائی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا. پھر میں حکیم وجیہ اللہ صاحب کے پاس گیا، وہ دیوبند کے پڑھے ہوئے تھے، ہمدرد دواخانہ کے بہت اچھے آدمی تھے، انکو اپنے فن سے بڑی مناسبت تھی، میں نے کہا کہ.... میں نے دوا کھائی مگر فائدہ نہیں ہوا. فوراً انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ..... کیا آپ نے ہم سے پوچھا تھا؟؟؟ میں نے کہا...... نہیں، تو انہوں نے کہا بس.... تو انہوں ایک دوسری دوا دی، اور پہلی دوا کو باقی رکھا...... پھر بیماری الحمد للہ ٹھیک ہوگئی.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضابطے بتائے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ضابطہ کی بات بتائی، کہ دین کے کام کو نہ چھوڑو!!! کوئی بات پیش آجاوے تو پوچھ کر چلو...... تاکہ اسکو کوشش کرنے کا دوسرا راستہ بتایا جائے. اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوجائے.

اللہ کو اپنے کام کی کوشش پسند ہے:

ہم نتیجہ کے ذمہ دار نہیں ہیں، کوشش کے ذمہ دار ہیں، آپ نے کسی آدمی کو بہت سمجھایا...... بہت سمجھایا..... مگر وہ راستہ پر نہیں آیا.... تو آپ کا کام پورا ہوگیا، اسکو راہ راست پر لے آنا یہ آپ کا کام نہیں ہے...... یہ اللہ کا کام ہے. قیامت میں ایسے نبی بھی آئیں گے کہ ان کے پیچھے ایک بھی آدمی نہیں ہوگا. ساری عمر انکی محنت میں گئی..... تو کیا وہ نبی ناکام ہوگیا؟؟؟ نہیں! نبی ناکام نہیں ہوا، وہ ناکام ہوئے جنہوں نے اپنے نبی کی

بات نہیں مانی.......انہوں نے اپنی کوشش پوری کرلی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **عليك الجهد** تمہارے ذمہ کوشش ہے. محمد بن مسلمہ مشہور انصاری صحابی ہیں، انکے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام لگایا... فرمایا: کل فلاں کام ہے! کون انجام دے گا؟؟؟ وہ کھڑے ہوگئے، اور عرض کیا میں کروں گا......ذمہ تو لےلیا، پھر انکو ڈر ہوگیا، کہ میں اسے کیسے پورا کروں گا؟ تو انکا کھانا پینا بند ہوگیا، لوگوں نے عرض کیا کہ محمد بن مسلمہ کا تو کھانا پینا بند ہوگیا. کہ کیوں؟ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وعدہ کرلیا تھا کہ فلاں کام میں کرلوں. اب ان کو ڈر ہے کہ کرپاؤنگا کہ نہیں؟ آپ ﷺ نے انکو بلاکر پوچھا کہ آپ نے کھانا پینا کیوں بند کردیا؟. کہا یارسول اللہ مجھے ڈر ہے کہ جو وعدہ میں نے کیا ہے اسکو پورا کرپاؤنگا کہ نہیں؟ چنانچہ اس وقت آپ نے فرمایا **عليك الجهد** آپ کے ذمہ صرف کوشش ہے. اس کے علاوہ کچھ نہیں. تو اب کام آسان ہوگیا. اللہ نے ہم کو کوشش کا ذمہ دار بنایا.....نتیجہ کا نہیں. اور یہی ہمارا کام ہے.

نتیجہ کی فکر نہ کریں:

جو کام ہمارے ذمہ ہے اسکی پوری کوشش کریں، نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے: **أَلَا إِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ** [سورة:الشورى، آيت :٥٣] سارے امور اور نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اسی طرح قربانیاں بنتی ہیں کہ اپنی کوشش پوری کرڈالو......مولانا الیاس صاحبؒ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ دنیا میں لوگ اپنے کاموں کے لئے تدبیریں کرتے ہیں، جیسے کسی آدمی کو مکان بنانا ہے تو وہ مکان بنانے کی تدبیر کرے گا.......کوئی بیمار ہوگیا تو وہ اپنے علاج کی فکر کرے گا........عام طور سے ان تدبیروں سے کام بن جاتا ہے.......تو فرماتے تھے کہ اسی طرح دین کے کام کے لئے تدبیریں اختیار کرو.......اور دعا کرو.

دین کی کر مدد کریں!

ہماری اور پوری امت کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے دین کی مدد کریں، اور اپنے دین پر استقامت اختیار کریں....... اعمال کے پابند رہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿كُونُوا أَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے، اے ایمان والو تم سارے کے سارے اپنے دین کے مددگار بنو...... مدد کی مثال پانی کی طرح ہے، جیسے زمیں کو پانی دینا...... کھیتی کی زمین سے لینے کے لئے اسکو پانی دو..... باغ کی زمین کو پانی دو....... جس طرح کھیتی اور باغ کی زمین پانی مانگتی ہے اسی طرح دین...... دین کو پانی دینے کے معنی ہیں کہ دین کی نصرت کرو! تاکہ دین کے جتنے شعبے ہیں سب زندہ ہو جائیں..... اگر کھیت سے پانی کٹ گیا تو کچھ نہیں پیدا ہوگا.... زمین بغیر پانی کے مر جاتی ہے..... ایسے اگر دین کی نصرت نہیں کی گئی تو دین مر جائے گا تو ہر مسلمان اپنی جان مال سے اپنے دین کو زندہ کرنے کی فکر کرے.

لوگوں کو اللہ سے جوڑیں!

تو دین کی نصرت کی مثال پانی کی طرح ہے...... پانی ایسی چیز ہے کہ ہر چیز کو زندہ رکھتی ہے، ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبياء/۳۰] تو دین کو پانی دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالی سے جوڑو! .... لوگوں کو اللہ سے ہونا بتاؤ....... اللہ سے ہی ہوتا ہے، کسی اور سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ لوگ مختلف چیزوں میں الجھے ہوئے ہیں، کوئی کسی سے جڑا ہوا ہے..... تو کوئی کسی سے..... ان سب کو اللہ سے جوڑو! لوگوں کے دماغوں میں مختلف چیزیں ہیں کہ اس سے ہوتا ہے.... اس سے ہوتا ہے..... یہ سب تو بت ہیں، بت چاہے سونے کا ہو تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا، چاہے پتھر کا ہو تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا...... صرف اللہ تعالی کی قدرت سے ہوتا ہے.

لوگ حالات کی وجہ سے اللہ کی قدرت بھول جاتے ہیں.

مولانا یوسفؒ صاحب فرماتے تھے کہ لوگوں کو اللہ کی قدرت سمجھاؤ، لوگ حالات کی وجہ سے اللہ کی قدرت بھول گئے، جن کے اچھے حالات ہیں وہ بھی اللہ کو بھول گئے، اور جن کے ناگوار حالات ہیں وہ بھی اللہ کو بھول گئے، حالانکہ یہ حالات بھی اللہ کی قدرت سے آتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے جڑیں. حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں فرمایا تھا، ابن القیم نے اسکو زادالمعاد میں نقل کیا ہے کہ من أصلح ما بينه وبين الله اصلح الله مابينه وبين خلقه کہ جو لوگ اللہ کا اور اپنا معاملہ صحیح کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ انکا اور مخلوق کا معاملہ صحیح کردیں گے .... یہ اصلی بات جو سب کے اندر ہونی چاہئے..... جب یہ بات ہے تو جس کام کو اللہ اور رسول کرنے کا حکم دیں اسکو کریں...... اور جس کام سے منع کریں اس سے باز آئیں.

مخلوق پر کوئی وعدہ نہیں !

اس لئے یہ دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مخلوق پر وعدہ نہیں کیا..... کہ مال سے کروں گا...... اِس سے کروں گا....... فلاں چیز سے کروں گا...... بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خود اپنے حکم سے کروں گا، اپنی قدرت سے کروں گا. اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کے کام بنادیتے ہیں!!!! اور کتنوں کا بگاڑ دیتے ہیں!!! کتنوں کی کمر توڑ دیتے ہیں!!! ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا﴾ [القصص /۵۸] کتنے ہیں ہم نے انکی کمر توڑ دی..... کتنے ہیں ہم انکو اوپر لائیں گے.

پہلے کام کریں پھر اللہ سے مانگیں !

اللہ تعالیٰ سے کام کر کے مانگو!!! یہ اصول ہے، کام کئے بغیر نہیں....﴿إياك نعبد

﴿وإياك نستعين﴾ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کریں گے اور آپ ہی سے مدد لیں گے........نافرمانی کے راستہ سے مدد نہیں لیں گے......اور نافرمانی کے راستہ پر کوئی مدد نہیں ہوگی.اس لئے اللہ سے ہونے کا راستہ اطاعت ہے، اطاعت پر اپنے آپکو کھڑا کرنا ہے......اور پھر اللہ سے مانگنا ہے، حق کی ابتدا ناگواریوں سے ہوگی، اللہ تعالی حق کو اسی راستہ سے چلاتے ہیں، کہ حق والوں کے سامنے ناگواریاں آویں گی.......دشواریاں آویں گی.....رکاوٹیں آویں گی......آسانیاں آویں ایسا نہیں ہوگا، یہ سنت کے خلاف ہے، اللہ کی سنت ایسی ہے ہی نہیں، بلکہ تم کام کرتے رہو اللہ حالات بدل دیں گے.

دشواریوں کے بعد آسانیاں:

باطل پہلے چھا جاتا ہے......اندھیرا چھا جاتا ہے پھر اللہ تعالی سورج کو نکالتے ہیں، اور اندھیرے کو چھانٹ دیتے ہیں.....پھر اسکا کوئی وجود نہیں رہتا......﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ [الشرح / ۵،۶] کہ گھبراؤ مت دشواریوں کے پیچھے آسانیاں آویں گی......ابتداء ناگواریوں سے اور انتہا کامیابیوں سے.......اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے کام کو وہاں تک لے جاؤ جہاں تک اللہ کہتے ہیں، تھوڑا کر کے رک جانا یہ کہیں بھی نہیں ہے......اسمیں کوئی نتیجہ نہیں آتا........جیسے کوئی انسان پانی نکالنے کے لئے کنواں کھودتا ہے تو وہ اگر تھوڑا کھود کر بیٹھ جائے تو پانی ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ وہاں تک کھودو جہاں تک پانی آوے.....یہ ہر کام کا اصول ہے کہ اسے وہاں تک لے جاؤ جہاں تک نتیجہ آوے.

کام کے اعتبار سے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسکو ناقص نہ چھوڑیں.کام کو پورا کریں پھر آگے اللہ نتیجہ دکھاویں گے.......نتیجہ کا وعدہ اللہ کا ہے، اس لئے کام کو پورا کرو پھر اللہ سے مانگو.

پہلے راستہ بنائیں!

حکومتیں پل بناتی ہیں..... سڑکیں بناتی ہیں....... پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بناتی ہیں..... کیوں کہ اس پار جانا ہے، ایسا نہ کرے تو پھر کوئی کام نہیں ہوگا، ندی آجاوے تو پل بناؤ....... پہاڑ آجاوے تو سرنگ نکالو..... تا کہ ٹرین آسانی سے گزر جائے. ہندوستان میں ریلوے لائن انگریزوں کی بچھائی ہوئی ہے، بنیاد انہوں نے ہی ڈالی ہے. اب اسپر ترقی ہورہی ہے، پہلے کوئلے سے گاڑیاں چلتی تھیں، انکو آگ گاڑی کہتے تھے، چنانچہ انگریزں نے ایک بنیاد ڈالی، اس کے لئے سڑکیں بنائیں، پل بنائے، پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بنائیں، تو کہتے ہیں رکاوٹیں ہونگی تو راستہ بناؤ، سب سے زیادہ اجروثواب انکو ملتا ہے جو دین کے لئے راستہ بناتے ہیں..... سب لوگ چلیں گے اس لئے کہ راستہ بن گیا.

حرکت سے اللہ راستے نکالیں گے:

حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حرکت دی ہے، کہ امت دین کو لیکر حرکت میں آوے. جب یہ اپنا دین لیکر حرکت میں آوے گی تو راستے بنیں گے، پھر ہر قسم کے لوگ چلیں گے...... چنانچہ ایک محنت ہوئی ہے تو راستے ہو گئے کہ لوگ ہوائی جہازوں میں نماز پڑھتے ہیں..... اور ہوائی جہازوں میں قبلہ بنایا جاتا ہے، ایسا کیوں ہوا؟ کہ اب نماز پڑھنے والے آگئے، پہلے ایسا نہیں تھا..... ایک مرتبہ ہم سفر سے آرہے تھے صبح کی نماز کا وقت ہو گیا مگر قبلہ نہیں معلوم تھا، تو ہم نے سروس کے لوگوں سے پوچھا کہ ہمیں نماز پڑھنی ہے تو آپ لوگ بتائیے کہ مکہ کس طرف ہے؟ تو اسنے لاؤڈ اسپیکر سے بتایا کہ مکہ فلاں سمت ہے..... اس طرح راستہ کھلا ہے، لیکن اگر مسلمان نماز نہ پڑھیں تو انکو راستہ کون بتائے گا!!! اسی طرح ہوائی جہازوں میں سحری کا کھانا بھی دیتے ہیں اور سحری کا وقت بھی بتاتے ہیں، یہ کیوں؟؟؟ اس لئے کہ امت حرکت میں آئی..... اگر حرکت ختم ہو جاوے تو

کوئی نصرت نہیں کرے گا.اگر ہم حرکت کریں گے تو ساری دنیا میں اسی طرح جگہ ہوجائے گی.اسی کو قرآن میں اللہ تعالی بیان فرماتا ہے:﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ [النور /۵۵] .

دین کے کام پر اللہ کی مدد یقینی ہے:

باطل تو باطل ہے.....وہ تو ہے ہی مٹنے کے لئے ، پنپنے کے لئے ہے ہی نہیں....حق چمکنے کے لئے ہوتا ہے، اللہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کے لئے جگہ بناویں گے، تو اللہ جگہ بناویں گے، ہمارا کام تو صرف کوشش کرنا ہے، اللہ اپنی قدرت سے سب کچھ کرنے والا ہے..... چنانچہ بڑی بڑی بشارتیں ہیں ..... بڑے بڑے وعدے ہیں، اگر لوگ اللہ کے دین کی مدد کریں تو اللہ انکی مدد کرے گا، پھر دین کے لئے جگہ ہوجائے گی، رکاوٹ اللہ کی حکمت ہے، اس نے رکاوٹ ڈالی ہے تو مدد بھی ڈالے گا، ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ گھبراؤ مت دشواری کے بعد آسانی آنے والی ہے....کہاں سے آئے گی کہ اللہ کی قدرت سے....ہم تو صرف اپنی ذمہ داری کو پورا کریں، ذمہ داری پورا کرنے پر حدیث شریف میں ہے:المعونة على قدرالمعونة مدد اتنی آوے گی جتنی ذمہ داری پوری کی جائے گی، اس لئے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ مدد نہ کرے....مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ جو اللہ کا کام کرے اور اللہ کی مدد کا یقین نہ کرے وہ فاسق ہے. ﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لايَسْتَوُونَ﴾ [السجدة:۱۸] کہ آدمی مؤمن ہو اور فاسق بھی، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟؟؟.

اللہ اپنے وعدہ میں سچا ہے:

اللہ تعالی اپنے کام کرنے والوں کی مدد ضرور کرتا ہے، انسان کام اللہ کا کرے اور مدد کا یقین نہ کرے تو یہ فاسق ہے، منافق فاسق ہوتا ہے.....کیوں کہ اسکو اللہ کی مدد کا یقین

نہیں ہے تو اسکے لئے کچھ بھی نہیں ہے.....اور مؤمن کو اللہ کی مدد کا یقین ہوتا ہے، تو وہ اللہ کا کام کرتا ہے، اور اللہ سے مدد حاصل کرے گا، اللہ تعالی مدد کا وقت نہیں بتاتے بلکہ اسکو غیب میں رکھتے ہیں جب شرط پوری ہو جاتی ہے تب اللہ اپنا وعدہ پورا کر دیتے ہیں اور غیب سے مدد لاتے ہیں.

مدد مشاہدہ میں نہیں ہوتی:

مدد نظر نہیں آتی ہے بلکہ جب کام پورا ہو جاتا ہے تب اللہ اپنی مدد بھیجتا ہے، وہ اسکو غیب میں رکھتا ہے، جب بندہ کام کرتا ہے تو کام پر اسکی مدد ہوتی ہے، پھر اسکا سینہ کھل جاتا ہے......اللہ کی مدد حق ہے، پھر اس سے آگے کا قدم اٹھاتا ہے، ایک کلاس کے بعد دوسری کلاس.....اور ہر آنے والی کلاس کا مضمون پہلی والی کلاس سے سخت ہوتا ہے، اسی طرح ایمان کے راستہ سے اس درجہ پر پہونچتا ہے کہ ہر آنے والی آزمائش پہلی والی سے زیادہ سخت ہوتی ہے.....پھر اللہ کا وعدہ ایسا جیسا مشاہدہ......اور وہ کہتا ہے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے ہم کو اسمیں کوئی شک نہیں...... باقی آزمائش.....رکاوٹیں......مخالفتیں......بدنامی.....یہ تو آنی ہے. یہ کوئی نئی بات نہیں ہے.....بلکہ پورانی بات ہے، قرآن پڑھو اور دیکھو کہ فرعون بھی موسی علیہ السلام کو فسادی کہتا تھا حالانکہ وہ خود بہت بڑا فسادی تھا..... ﴿ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسَی وَلْیَدْعُ رَبَّه إِنِّی أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِی الأَرْضِ الفَسَادَ﴾ [غافر:٢٦] مجھے اسکو قتل کرنے دو ورنہ یہ تمہارا دین بھی بدل دیگا اور ملک میں فساد مچا دے گا.

ہر نبی کو بدنام کیا گیا اور ہر نبی کے دشمن ہوئے:

نبی کے دشمن انسانوں میں سے بھی ہوتے تھے اور جنوں میں سے بھی، جن حضور ﷺ کے سامنے نماز میں آگ کا شعلہ لیکر آتے تھے.....قرآن صاف کہتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ میں **وكفى بربك هاديا ونصيرا** کتنی زبردست بات ہے کہ نبی کے دشمن مجرموں میں سے ہوں گے ....کوئی بات نہیں میرا پروردگار ہدایت دینے کے لئے کافی ہے......میرا رب مدد کے لئے کافی ہے، ہمارے پاس توپکے دستاویزات ہیں کہ حضور ﷺ کو بدنام کیا گیا تھا....قریش کہتے تھے کہ محمد نے ہمارے قبائل میں پھوٹ ڈالی ہے...... فرق جماعتنا ہمارے اندر مشکلات پیدا کردیں اور ہماری جماعت میں تفریق ڈالدی، حالانکہ حضور ﷺ نے بھائی بھائی بنا کر کام شروع کیا تھا........ان باتوں سے نہ ڈرو ساری بدنامیاں ڈھل جائیں گی....عزت اللہ کے لئے ہے،عزت اللہ کے رسول کے لئے ہے،عزت ایمان والوں کے لئے ہے، یہ فیصلہ ہے، **ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين** . یہ باتیں قیامت تک چلیں گی، لیکن اللہ ہدایت دینے کے لئے کافی ہے......اللہ مدد کے لئے کافی ہے.

ہم کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے:

ہماری کسی سے دشمنی نہیں ہے، حضور اکر ﷺ نے فرمایا" **الدين النصيحة**" دوسروں کی بھلائی چاہو یہ ہماری بنیاد ہے .ہم اس بنیاد پر کام کریں گے کہ ہر ایک کا بھلا ہوجاوے، جیسے بارش کے پانی سے سب کا بھلا ہوتا ہے، خیر وجود میں آتا ہے،......نظر اللہ پر رکھنی ہے....غرور بھی نہیں کرنا ہے....اوصول پر بھی چلیں گے...... اور مشورے بھی کریں گے......کام کے تقاضے بھی پورے ہوں گے.....تا کہ ہر طبقہ کے اندر دین زندہ ہو جاوے........اجتماعی فکر ہوتی ہے تو اجتماعی مدد اترتی ہے......یہی ہمیں کرنا ہے تا کہ اللہ کا سچا دین وجود میں آجاوے....اس لئے ارادے کرو..........اور اللہ سے مانگو!!!!!!

☆☆☆☆☆

بیان نمبر (٦)

﴿جمبوسر، ۰۷/۰۴/۲۰۱۳﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین!

میرے بزرگو اور عزیزو!

اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم کی نعمت عطا کی ہے، اللہ نے اپنے علم کا پرتو ہم پر ڈالا ہے، جس میں سب سے اونچی چیز اللہ کی کتاب ہے، تمام عزتوں کا ذریعہ..... تمام بلندیوں کا ذریعہ...... ہدایت کا ذریعہ...... کامیابی کا ذریعہ...... وہ اللہ کی کتاب ہے، حضور ﷺ کے لئے بھی رہبر ہے، کوئی معاملہ پیش آیا تو قرآن کی آیت رہبری کرتی تھی، حضور ﷺ سارے عالم کے رہبر ہیں، اور آپ ؐ کا رہبر اللہ کی کتاب، اس کتاب کے پڑھنے کی آپ حضرات کو توفیق دی ہے...... پڑھانے کی توفیق دی ہے..... یاد کرنے کی توفیق دی ہے.... اور وہ حفظ ہو جاتی ہے، سینوں میں بیٹھ جاتی ہے۔

نعمت کا شکر ادا کریں!

بہت بڑی نعمت ہے، اس کا شکر کرنا چاہئے، موسیٰؑ کو اللہ نے کتاب دے کر فرمایا ﴿يَامُوْسَى إِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِى وَبِكَلَامِى فَخُذْ مَا أَعْطَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ﴾ [الأعراف / ۱۴۴] اے موسیٰ! ہم نے آپ کو کتاب دی، اور آپ کو ہم نے شرف کلام بخشا ہے، اس لئے آپ اس کا شکر ادا کریں، پیغمبروں سے شکر کا مطالبہ..... شکر کا حکم ہے، اس کتاب کا شکر..... اس علم کا شکر.....اور اس پر استقامت.....اسلئے ہم پابند ہو جائیں! اس کے پڑھنے کے پابند...... اس کے یاد رکھنے کے پابند....یہ یاد بھی جلدی ہو جاتا ہے، اور نکل بھی جلدی جاتا ہے..... حدیث پاک میں ہے کہ اس کتاب کو یاد کیا کرو! نہیں تو یہ بہت جلدی نکل جائے گی، جیسے اونٹ

بیٹھایا اور اس کا گھٹنہ نہ بیٹھایا وہ بھاگ جائے گا، ایسے قرآن شریف سینے میں ہے، تو اسے برابر پڑھتے رہیں، اسے یاد کرتے رہیں، اللہ توفیق دے اس کو نوافل میں پڑھا کریں، اس سے حفظ بہت پکا ہو جاتا ہے۔

حفظ: علم بھی ہے، اور ذکر بھی ہے:

قرآن شریف کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کیا جائے تو یہ ذکر ہے، حضور ﷺ صحابہ کرام کو اس کا علم دیتے، دار ارقم میں بیٹھ کر لوگ قرآن شریف سیکھتے تھے..... قرآن شریف کے احکام سیکھتے تھے..... قرآن کو یاد کرتے تھے...... ایک دوسرے کو پڑھاتے تھے..... اپنے گھروں میں پڑھتے تھے..... اور پچھلی راتوں اٹھ کر اس کی تلاوت کرتے تھے..... تو یہ کتاب ذکر بن جاتی تھی، ﴿يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ [آل عمران / ۱۱۳] اللہ کے نیک بندے وہ راتوں کو اٹھتے ہیں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، نمازوں میں اس کو پڑھتے ہیں، اونچی بات ہے، کہ قرآن شریف نماز میں پڑھتے ہیں، جو قرآن نماز میں پڑھا جائے گا تو ایک حرف پر سو نیکیاں ملتی ہیں، اس لئے جنہوں نے قرآن شریف اللہ کی توفیق سے یاد کیا ہے، وہ اسے یاد رکھیں، نہیں تو بہت گناہ ہوگا، یاد کر کے بھول گئے..... فارغ ہو کر اپنی دنیا میں لگ گئے، اب قرآن شریف زبان پر چلتا نہیں ہے، نکل گیا تو یہ بڑی ناقدری ہے..... اس کے لئے حدیث میں بڑی وعیدیں ہیں، اس لئے تلاوت کی پابندی کریں، روز معمول بنا کر قرآن پڑھا کریں!، ہمارے حضرت کہتے تھے جو حافظ ہوں انہیں چاہئے کہ روز آنہ تین پارے پڑھیں، حافظ محمد بخش صاحب جو میرے ساتھ امریکا میں تھے وہ کہتے ہیں کہ میرے استاذ نے فرمایا کہ قرآن شریف نہیں کھولنا، کیا مطلب؟ حفظ پڑھنا وہ روز آنہ تین پارے پڑھتے تھے، صف میں بیٹھے بیٹھے، نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں.....اس طرح تین پارے پڑھ لیتے تھے۔

قرآن کریم سیکھیں اور سکھائیں:

قرآن شریف حفظ ہوگیا..... تو سینہ میں گویا علم نبوت آ گیا، حدیثوں میں ہے، ثواب کا ذخیرہ ہے، یہ قبر کا نور ہے ..... بہترین امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اس کتاب کو سیکھیں اور سکھائیں، اس کے حروف کو بھی سکھانا ہے..... اس کی تجوید کو بھی سکھانا ہے، اس کے احکام کو بھی سکھانا ہے، سکھانے کے کچھ درجے ہیں، ویسے بہتری کے بھی کچھ درجے ہیں، جس نے اس کو پڑھا ہے آگے اسے سیکھنا ہے، اس کا ترجمہ اس کی تفسیر اس کے احکامات سیکھنا ہے، پھر اس کو یاد کرنا ہے، پھر امت میں اسکی تبلیغ کرنا ہے، قرآن شریف عبادت بھی بن جائے تبلیغ بھی بن جائے.....﴿ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ﴾ جو آپؐ پر نازل ہوا ہے اس کی تبلیغ کرو۔

قرآن والوں کو وحشت نہیں ہوگی:

قرآن کریم قبر میں مونس ہے.....قبر میں وحشت ہوگی لیکن جو قرآن والے ہیں ان کو وحشت نہیں ہوگی..... بلکہ قرآن آجائے گا کہ میں آپ کا ساتھی ہوں، آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں، اس لئے قرآن شریف سے تعلق پیدا کرو، علم کا بھی تعلق، اور عمل کا بھی تعلق، قرآن کا علم بڑا علم ہے، یہ حضور ﷺ پر نازل ہوا، اور پھر آپ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ایسے سمجھاؤ، تو آپؐ نے اسے سمجھایا، اس کا یہ مطلب ہے، اس کا یہ مطلب ہے، اور اس پر اس طرح عمل کرو، اس پر اس طرح عمل ہے، ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[النحل/۴۴] ہم نے آپ پر یہ ایک ذکر نازل کیا - اللہ نے اس کو علم بھی کہا اس کو ذکر بھی کہا - آپؐ پر نازل کیا ہے، اب آپؐ لوگوں کو سمجھائیں، قرآن سمجھنے کے لئے سنت کا سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث سے جاہل رہ کر قرآن سمجھنا مشکل ہے۔

قرآن وحدیث نور ہے:

حدیثوں کو بھی پڑھنا، سنتوں کو بھی سیکھنا..... سنتوں پر عمل کرنا، اللہ کی کتاب اور اللہ کا رسول یہ دونور ہیں، ہم کو دونور ملے ہیں، ﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ نُوْراً مُبِيْناً﴾ ایک نور نازل کیا ﴿قَدْ جَائَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِيْنٌ﴾ ایک نور حضور ﷺ کی سنت اور ایک نور اللہ کی کتاب ہے، تو اپنے آپ کو اس کا پابند بناویں، معصیت سے گناہوں سے بے ادبیوں سے اس کو میلا نہ کریں۔

علم تقویٰ کے ساتھ رہتا ہے:

تقویٰ پرہیزگاری کے ساتھ یہ کتاب ملی ہے..... علم ملا ہے.... تو انہیں تقویٰ وطہارت کے ساتھ چلاؤ، یہ نور ہے، بنی اسرائیل کے علماء کو علم ملا، تو انہوں نے تقویٰ کھودیا، اور فسق آ گیا، وہ فاسق ہو گئے، ان کے عبادت گزار لالچی بن گئے، تو وہ فاسق اور لالچی بن گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے...... اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، بڑے بڑے گناہ کرتے تھے، یہاں تک کہ کتاب کو بھی بدل دیتے تھے، نبی کو بھی قتل کر دیتے تھے.... یہ تقوے والا علم ہے.... یہ علم اسکے پاس ہوگا جس کے پاس تقویٰ ہوگا، نہیں تو اسکا بھی وہی حال ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا، اسکا بھی دل سخت ہو جائے گا، فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ بڑے عالم گزرے ہیں، انھوں نے بھی کہا کہ علم سے دل سخت ہو جاتا ہے...... یہ میں نے پڑھا ہے کہ علم سے دل سخت ہو جاتا ہے...... کیوں کہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا..... علم کو دنیا کے لئے استعمال کیا..... تو بجائے اسکے کہ دلوں میں تقویٰ اور نور پیدا ہو دل سخت ہو جائیں گے۔

بغیر عمل کے علم سے دل سخت ہو جاتا ہے:

جیسے بنی اسرائیل کے علماء کے دل سخت ہو گئے تھے، اور یہ دلوں کا عذاب ہے، دل سخت ہو گئے پڑھنے کے باوجود بھی..... جاننے کے باوجود بھی.... میں جانتا ہوں.... ہاں

میں جانتا ہوں ..... مگر عمل کچھ ہے، اس طرح دل برباد ہو جاتے ہیں، جسکا دل جتنا سخت ہوگا اتنا وہ اللہ سے دور ہوگا، دلوں کا علاج بھی قرآن شریف میں ہے، حدیث شریف میں ہے کہ دلوں کو زنگ لگتا ہے..... میل لگتا ہے، ''اسکی صفائی کی کیا صورت ہے کہ موت کو یاد کرو! اور قرآن شریف کی تلاوت کرو! یہ علاج ہے''. یہ علم اللہ نے ہمیں پابند ہونے کے لئے دیا ہے، آزاد ہونے کیلئے نہیں دیا....... دوسرے جو دنیا کے فنون ہیں ان میں لوگ آزاد ہوتے ہیں.... آوارہ ہوتے ہیں..... مگر اس علم میں پرہیز گار ہوں گے، پابند ہوں گے، پرہیز گار اور پابند ہو کر ہی جنت میں جا سکتا ہے ﴿وَالعَاقِبَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ عاقبت کی خوبیاں پرہیز گاروں کو دیجاتی ہیں...... فاسقوں کو نہیں دی جاتی ہیں..... اسلئے اپنے آپ کو فسق سے بچانا ہے، اور گناہوں سے دور رکھنا ہے، اسی لئے یہ علم دیا ہے تا کہ اس پر عمل کرو.... قرآن دیا ہے تا کہ یہ عمل میں آوے، اسکو پڑھیں پڑھاویں.... اسکو دنیا میں پھیلاویں۔

قرآن پر دنیا میں کوئی اجرت نہیں لینا ہے:

اسپر دنیا والوں سے کچھ نہیں لینا ہے، اللہ بہت دیگا بہت...... امت میں بڑے لوگ گزرے ہیں انھوں نے کچھ نہیں لیا، اللہ نے انھیں خوب دیا..... وہ لوگوں کو دین بھی سکھاتے تھے، اور کھانا بھی کھلاتے تھے، لوگوں سے لینا تو کیا! بلکہ ہمارے یہاں پڑھ کے بھی جاؤ اور ہمارے یہاں سیکھ کر اور کھانا بھی کھا کر جاؤ..... یہ ہوتا تھا، علم اخلاق کے ساتھ..... علم اغراض کے ساتھ نہیں، ایثار کے ساتھ..... احسان کے ساتھ، یہ صحابہ کا علم تھا، بنی اسرائیل کے علماء کا علم اغراض کے ساتھ تھا، اسلئے محروم ہو گئے اور اللہ نے انکو دور کر دیا، جو لوگ بے غرض ہیں وہ مقرب ہو گئے..... اللہ ان سے راضی ہو گیا، بس ہمیں اس پر اپنے کو پابند بنانا ہے، جو پابندی نہیں کریگا اسکی کوئی ترقی نہیں..... اور جو پابند ہے وہ ہر وقت ترقی کرتا ہے، اگر پابند بنو گے انشاء اللہ پھر نور علی نور..... اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے! اور آپ کو بھی توفیق دے! ☆☆☆☆☆☆☆

بیان نمبر (۷)

حقوق اللہ
و
حقوق العباد

﴿۲۰۱۴/۰۲/۱۶، نلور اجتماع، بعد مغرب﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارک وسلم تسليما كثيراً كثيراً،اما بعد!

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿إِنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الحَيوةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إِلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَنِي مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

دین نام ہے ادب کا:

میرے بزرگو اور پیارے بھائیو!

دین سارے کا سارا ادب کرنے کا نام ہے۔" الدين كله أدب" دین ادب کرنے کا نام ہے...... ایک مرتبہ میں جماعت لے کر دارالعلوم دیوبند گیا، عرب حضرات کی جماعت میرے ساتھ تھی، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اس وقت حیات تھے، مفتی صاحب ہمارے حلقے میں آئے، عربوں سے ملاقاتیں کیں، پھر بات شروع کی...... پہلی بات یہی کی جو میں کہہ رہا ہوں" الدين كله أدب" کہ دین سارے کا سارا ادب کرنے کا نام ہے...... ہمارے دین میں بے ادبی کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔ وضو اور استنجاء کے بھی اداب ہیں...... اللہ کا ادب...... اس کے رسول ﷺ کا ادب...... اس کی کتاب کا ادب...... مجلس کا ادب...... مسجد کا ادب۔

علماء کی صحبت:

علماء سے فائدہ اٹھانا ہے، کیونکہ ان کے علوم سے.... ان کے عمل سے ایسا نفع ملتا ہے جیسے زمین کو پانی سے نفع ملتا ہے، اس لئے کہ علم تو وہی بتاویں گے۔ اور عمل بھی وہی بتاوینگے، کتاب پڑھ لو تو علم ضرور آویگا، لیکن عمل کی جگہ خالی رہے گی، اسلئے اللہ کتاب بھی اتارتے ہیں اور رسول بھی بھیجتے ہیں...... خالی کتاب ہی نہیں، کہ معلومات ہو جاویں لیٹریچر ہو جاویں، ٹھیک ہے! اس کے ساتھ عمل کی شکل ہونی چاہئے، تو عمل کی شکل اسکے لئے اللہ تعالیٰ آدمی بھیجتے ہیں، وہ ہمارا ہی آدمی ہوتا ہے، بنی آدم میں سے ہے..... وہ عمل کی شکل تیار کرتا ہے، کہ دیکھو یہ حکم ہے اس کا عمل یہ ہے...... یہ حکم ہے اس کا عمل یہ ہے..... ایک کتاب ایک انسان، اس کو کہتے ہیں اتباع، تو وحی کا اتباع کرو! اور وہ رسول کی تابعداری ہے، رسول بتائیں گے احکام کیا ہیں؟ آداب کیا ہیں؟ غلط کیا ہے؟ صحیح کیا ہے؟

تو ہمارا دین سارے کا سارا ادب ہے، اور ادب کے معنی کیا ہے؟ ادب کے معنی تکلفات نہیں ہیں۔ جیسے آج کل تکلفات ہو گئے ہیں، ادب تو تعظیم ہے...... عبداللہ ابن مسعودؓ مسجد میں داخل ہو رہے تھے، دروازے پر پہونچے، حضور ﷺ نے ممبر پر سے فرمایا "اجلسوا" بیٹھ جاؤ! دروازے پر پہونچے تھے کہ یہ آواز کان میں پڑی، تو وہیں بیٹھ گئے۔ کیونکہ حکم ہو گیا بیٹھ جایئے۔ اب چلنے کی جگہ نہیں ہے، دروازے پر ہی بیٹھ گئے، یہ حکم کی تعظیم ہے!!! تو آپ ﷺ نے بلا لیا عبداللہ آگے آجاؤ، تو آگے آئے، حکم کی تعظیم ...... اور اس سے آگے کی بات..... ایک دفعہ ایسے ہوا کہ ممبر پہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا بیٹھ جایئے! مسجد نبوی سے قریب ایک محلّہ تھا، اسکو بنو غنم کا محل کہتے تھے: عبداللہ ابن رواحہ وہیں تھے، مسجد کی دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں، تو آواز باہر جاتی تھی، انھوں نے محلّہ میں آواز سنی بیٹھ جایئے! تو وہیں بیٹھ گئے ...... اللہ کے

حکموں کی تعظیم، اور تعظیم سے اس پر عمل کرنا، تو عبد اللہ بن رواحہ وہیں بیٹھ گئے......
لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ عبداللہ ابن رواحہؓ محلّہ بنو غنم میں تھے آپ کی
آواز سن کر وہیں بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے خوش ہوکر کے ان کو دعا دی...... کہ اللہ تعالیٰ ان
کی اطاعت کی رغبت اور زیادہ کرے، یہ ہمارا کام ہے۔

مخلصین کی پہچان:

میرے دوستو! یہ کوئی رسمی چیزیں نہیں ہیں، اداب ہیں......احکام ہیں...... ذمہ
داریاں ہیں...... اور یہ ساری کی ساری چیزیں ذمہ داری سے امانت داری سے پوری کی
جائیں گی، تب یہ دین بنے گا، اخلاص بھی شرط ہے، اخلاص کے ساتھ کام کریں، ایک
اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور کوئی غرض نہیں ہے، کوئی پوچھے یا نہ پوچھے، کام تو کرنا ہے،
ہم کو نہیں پوچھا...... کہ کوئی بات نہیں، نہیں پوچھا...... تو ہم کام کریں گے۔ صحابہ اکرامؓ یہ
کہتے تھے، کہ ہم نے تو اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قول وقرار کیا ہے،
بیعت کی ہے، کہ جو حکم آئے گا اسے سنیں گے، اور ہر حال میں مانیں گے، اللہ غریب
بناویں گے تو بھی بات مانیں گے...... اللہ مالدار بناویں گے تو بھی بات مانیں گے.....
ہمارا جی چاہے گا تو بھی کام کریں گے، اور بات مانیں گے، جی نہیں چاہتا.... کام ذمہ میں
آیا تو بھی کام کریں گے۔ اور بات مانیں گے۔ یہ ہے کہ پانچویں بات "بَايَعْنَا رَسولَ
ﷺ عَلَى السَّمعِ وِ الطَّاعَةِ فِي العُسْرِ وَاليُسْرِ، والمَنْشَطِ والمَكْرَهِ والأَثَرةِ عَلَيْنَا
وأن لانُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَه"، [رواه ابن ماجه عن عبادة الصامت فی باب البيعة،
حدیث نمبر:۲۸۶۶] یہ پانچویں بات ہے کہ کوئی ہم کو آگے کردے تو بھی بات مانیں
گے، کوئی ہم کو پیچھے کردے تو بھی بات مانیں گے، کوئی ہمیں پوچھے تو بھی بات مانیں گے،

کوئی ہمیں نہ پوچھے تو بھی بات مانیں گے، یہ مخلصین کی اطاعت کہلاتی ہے۔

کام صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہی عمل قبول ہوگا جو خالص اللہ کے لئے کیا گیا ہوگا، اس لئے صحابہؓ نے کہا کہ ان پانچوں صورتوں میں ہم انصار دوسرے لوگوں کو آگے کرتے تھے ،اپنی حاجت پوری نہیں کرتے تھے..... لوگوں کی حاجت پوری کرتے تھے، اپنی راحت چھوڑ دیتے تھے،لوگوں کو راحت دیتے تھے..... اور ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر/۹] لیکن فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک دور ایسا آوے گا کہ لوگ تم کو پیچھے کردیں گے، اپنی راحتوں کو آگے کریں گے، اپنی ضرورتوں کو آگے کریں، تمھیں پیچھے کردیں گے،تو تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ ایسے دور میں تمکو صبر کرنا چاہئے، کہ نصرت تم نے کی ہے، ساتھ تم نے دیا ہے، قربانیاں تم نے دی ہیں، راستہ تم نے بنایا ہے، سب کو آسرا تم نے دیا ہے، اسکے باوجود لوگ تمہیں پیچھے کریں گے ایسا دور آئے گا..... ''یہ ہم کام کرنے والوں کے لئے بات ہے''! کہ تم کو ایسے وقت میں کیا کرنا ہوگا؟؟؟ تم کو ان سے لڑنا نہیں، ان سے جھگڑنا نہیں، کوئی شکایت نہیں کرنی ہے، بلکہ تم کو صبر سے کام لینا ہے، اور تمہارا بدلہ میں حوض کوثر پر اللہ سے قیامت میں دلوادونگا۔

یہ ہدایت ہے بہت وزنی ہدایت ہے، یہ ہر کام کرنے والے کے لئے ہر پرانے کے لئے وہ اپنے کام کا کوئی بدلہ نہ مانگے کوئی اعزاز نہ مانگے ،کوئی مقام نہ مانگے، جو کچھ مانگے وہ اللہ سے مانگے..... یہ اس کے خلوص کی دلیل ہے، یہ اس کے اخلاص کی دلیل، یہ اس کے آخرت کے طلبگار ہونے کی دلیل ہے..... اس لئے ان ہدایتوں کا اپنے آپ کو پابند کرنا ہے، پھر اتنی خیر ہوگی اتنی خیر ہوگی کہ دشمنوں کے دلوں سے دشمنی نکل جائیگی، اور

ہدایت کا نور ان کے دلوں میں آجائے گا..... کیونکہ یہ کام ہے ہی صبر آزما، صبر کرنے کا کام ہے۔

کام میں انہماک اور فکر مندی:

یہ کام صرف شوق پورا کرنے کا کام نہیں، دین کے کام شوق پورا کرنے کے لئے نہیں ہوتے، شوق پورا کرنے کے لئے کام نہیں کیا جائے گا، فکر سے کام کیا جائے گا..... جیسے قرض دار کو قرض کی فکر ہوتی ہے، کہ تاریخ آگئی ہے، تو وہ فکر مند ہو جاتا، اس کو نیند نہیں آتی، فکر ہے..... بوجھ ہے، ایسے ہی دین کے کام کا بوجھ ہونا چاہئے، یہ شوق پورا کرنے کا یا نمائش کا کام نہیں ہے، اسے نمائش کے لئے نہیں کرنا ہے، اپنے آپ کو نمایاں بنانے کے لئے بھی نہیں کرنا ہے..... اگر نمایاں بنو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں ہے:
" وَمَنْ اُشِیْرَ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ فَلَا تَعُدْهُ" [الترمذی عن أبی هریرة فی باب الكفاف والصبر علیه، حدیث نمبر: ۴۲۵۳] کہ جس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے یہ فلاں صاحب ہیں...... یہ فلاں صاحب ہیں تو اس کو کچھ مت سمجھو۔

قابل بہت ہیں مقبول بہت کم ہیں:

اپنی قابلیت کو دین پر لگانا ہے تاکہ اللہ مقبول بناوے، قابل بہت ہیں..... مقبول تھوڑے ہیں...... ہمیں مقبول بننا ہے، اس لئے دین کے کام شوق کے لئے نہیں کئے جائیں گے، بیان کرنے کا شوق ہے...... شوق کا بیان نہیں ہوتا، امت کی خیر خواہی کا بیان ہوتا ہے، امت کو دین پہونچانا ہے، شوق نہیں پورا کرنا ہے، امانت ہے کہ امت کو دین سکھاؤ، امت کو دین سمجھاؤ، وہ لائنیں دوسری ہیں جس میں شوق پورے کئے جاتے ہیں، جن میں اپنے آپ کو نمایاں کیا جاتا ہے، وہ دنیا میں ہیں...... ہمارے یہاں تو دین

کے کاموں میں اخفا بہتر ہے، چپکے چپکے صدقہ کرے، کہ سیدھے ہاتھ سے صدقہ اور دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے...... یہ صدقہ ظاہری صدقہ سے افضل ہے، ﴿اِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِيَ﴾ اگر تم ظاہر کر کے صدقہ دو گے تو یہ بھی ٹھیک، ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ [البقرة/ ۲۷۱] اگر چھپاؤ اور چپکے سے صدقہ دے دو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے، جیسے مال صدقہ ہے، اسی طرح ہر آدمی کا نیک عمل اس کی زندگی کا صدقہ ہے، اس کا جتنا اخفاء کر سکتا ہے اور جتنا پوشیدہ رکھ سکتا ہے یہ اس کے اظہار سے بہتر ہے، اظہار تو ضرورت کے لئے کرنا پڑتا ہے، جیسے فرض نماز جماعت سے پڑھی جائی گی، تو اظہار کر کے پڑھو تا کہ اور لوگ بھی پڑھیں۔

ورنہ اپنی نیکیوں کو ایسا چھپاؤ جیسے اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو، لوگ اپنے گناہوں....کو اپنی غلطیوں کو...... اپنی کمزوریوں کو..... چھپاتے ہیں، تا کہ ماحول میں رسوائی نہ ہو، تو یہ کام شوق پورا کرنے کا نہیں ہے، یہ تو ذمہ داری پورا کرنے کا کام ہے، اور ذمہ داری بھی امانت داری سے پورا کرنے کا کام ہے۔

اللہ سے قرب کا ذریعہ:

جب ذمہ داریوں کو امانت داری سے پورا کیا جائے گا تو لوگ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جائیں گے۔ان کی خدمت.....ان کی قربانی..... ان کی اطاعت.... وزن دار ہو جائے گی، کیونکہ اپنی ذمہ داری کو پوری امانتداری سے ادا کیا ہے، رسول ﷺ نے ایک سفر کیا، واپسی میں یا جاتے ہوئے ایک جگہ قیام ہوا، قافلہ کا پڑاؤ جہاں ہوا، وہ جگہ خطرے کی تھی، چاروں طرف ماحول خطرناک تھا، دشمنوں کا ماحول تھا، چوکیداری بھی ہمارے کام کا ایک حصہ ہے، جیسے آپ حضرات سامان کی.....مالوں کی...... چوکیداری کرتے ہیں،

یہ بھی ایک محنت ہے، اوراس کی بڑی فضیلت ہے، حضور ﷺ نے تقاضہ رکھا، تو فرمایا من یسحر ھذا اللیل آج کی رات چوکیداری کون کرے گا؟ مشکل جگہ تھی انصاری آگئے...... انصار مدینہ کی یہ خصوصیت تھی کہ مشکل مشکل کاموں کواپنے ذمہ لیتے تھے، مشکل کام یہ نہیں کہ عزت کے کام..... شہرت کے کام..... بلکہ جو کام کٹھن ہواس کو لیتے تھے۔ یہ ان کا مزاج تھا، دین کے کام کرنے والوں کے لئے سبق ہے، کہ کٹھن کام اپنے ذمہ لو! طبیعت اطاعت کی بنے گی، اور کام ہوجائے گا، یہ کام اعزازی نہیں ہے، حضور ﷺ نے انصار سے کہا کہ تمہارا مزاج ہے میں تمہیں جانتا ہوں کہ تمہارا مزاج یہ ہے "تکثرون عندالفزع و تقلون عند الطمع" کوئی کٹھن کام ہوتا ہے، مشکل معاملہ ہوتا ہے، تو اس کے لئے ہم حاضر ہیں، بتایئے کیا کرانا ہے؟ یہ وفاداروں کی شان ہے، ہاں! کہ ہم وفادار ہیں اور کوئی میٹھا معاملہ ہوا، ملائم معاملہ ہو، تو چھوڑ دیتے ہیں، کہ یہ میٹھا معاملہ ہے، ملائم معاملہ کوئی اور کریگا۔

انصارِ مدینہ کی صفت:

بحرین سے مال کے بارے میں پوچھا اس کو کیا کرنا؟ انصار نے عرض کیا کوئی بات نہیں ہے، مہاجرین کو دے دیجئے، ملائم معاملہ ہے، میٹھا معاملہ ہے، رقم آئی ہے، تو کس کو دیں؟ مہاجرین کو دیدیں، اور خندق کھودنی ہے، تو اس کے لئے ہم ہیں، خندق کھودنے کیلئے انصار کی دس دس آدمیوں کی جماعت بنائی تھی، اور ناپ کر زمین دی تھی، کہ یہ آدمی اتنا کھودے.... یہ اتنا کھودے.... یہ اتنا کھودے.... تو انصار کی جماعت کھودتی تھی، جب وہ جماعت اپنے حصہ کا کام پورا کرچکی اور کھودلیا...... تو اب کون سی جماعت ہے جن کا کام ابھی پورا نہیں ہوا ہے ان کی مدد کریں گے، ان کا ہاتھ بٹائیں گے،

یہ نہیں کہ ہماری جماعت نے تو کام کرلیا، تو بیٹھ گئے...... یہ کٹھن کام اپنے ذمہ لیتے تھے۔

سبق آموز واقعہ:

یہ سبق دیا ہے دین کی نصرت کرنے والوں کو، اگر اعزازی کاموں میں آگے رہیں، اور مشکل کاموں میں پیچھے ہوجاویں، اس سے ان کی ترقی نہیں ہوگی، اور ان کی تربیت بھی نہیں ہوگی، دونوں باتیں نہیں ہوں گی، کیونکہ یہ سہولت سے کرتے ہیں، سہولت دیکھتے ہیں، سہولت ہو تو کریں! کہ ایسا نہیں، عزیمت سے کریں، پھر اللہ کی مدد آئے گی، تو وہ قصہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج کی رات چوکیداری کون کرے گا، تو انصاری آ گئے کہ جی میں کروں گا چوکیداری! فرمایا اچھی بات ہے، تم سوار ہو کر آؤ میرے پاس! تو گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے، پھر آپ نے بتایا یہ جگہ ہے جہاں چوکیداری کرنی ضروری ہے، جہاں نگرانی کرنی ہے، سب جگہ بتادی کہ اس جگہ سے ہوشیار رہنا، ہدایت دیدی.....رات کو چلے گئے، رات گزر گئی، صبح کی نماز کا وقت آیا، تو جناب رسول ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے، آپ نے لوگوں سے پوچھا، تمہارے سوار کا کیا حال ہے، کوئی خبر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہمارے پاس تو ہمارے سوار کی کوئی خبر ابھی آئی نہیں ہے، بس وہ رات کو گئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی..... نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تمہارا سوار آنے ہی والا ہے، اتنے میں وہ جھاڑیوں میں سے آتا ہوا نظر آیا اور آ کر کے سامنے کھڑا ہو گیا، سلام کر کے حضور ﷺ نے کیا پوچھا؟ یہ نہیں پوچھا کہ خیریت ہے؟ رات کیسی گزاری؟ یہ نہیں پوچھا! تربیت کی باتیں ہوتی ہیں...... یہ پوچھا کہ یہ بتاؤ رات کو اپنے گھوڑے پر سے اترے تھے؟ ”ھل نزلت“ رات گھوڑے پر سے اترے تھے؟ عرض کیا بالکل نہیں اترا، ساری رات چکر لیتا رہا، صبح کی نماز کا وقت آیا

اس کیلئے اترا تھا، پیشاب کی حاجت ہوئی تھی اس کے لئے اترا تھا، باقی پوری رات اپنے گھوڑے پر رہا، اور اپنے کام میں مشغول رہا، جب انھوں نے یہ کارگزاری دی تو کیا جواب ملا کارگزاری کے جواب میں یہ ملا "قد اوجبت" آپ نے اپنی جنت واجب کرلی۔

یہ مثال میں نے اس لئے عرض کی ہے کہ کام کو ذمہ داری سے امانت داری سے کرنا ہے، جیسے انہوں نے پہرے داری پوری امانت داری سے کی ہے، کہ رات بھر اپنے گھوڑے سے نہیں اترے، یہ عزیمت کہلاتی ہے، اللہ کے کام کی عظمت اس کے حدود وقیود کی حفاظت، اس لئے ایک ہی رات میں اتنا انعام مل گیا کہ آپ نے اپنی جنت واجب کرلی، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، کوئی پوچھے یا نہ پوچھے! اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو خود دیکھنے والے ہیں، ﴿قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾ [التوبۃ/۱۰۵] کام کرو اللہ تمہارے کام کو دیکھے گا، حساب کتاب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دین امانت ہے:

اللہ نے ایمان امانت کے طور پر دیا ہے تاکہ اس امانت کو امانتداری سے ادا کریں، یہ ایمان ہی ایسی چیز ہے جو امانتداری سے کام کرواوے، ایمان ہی ایسی چیز ہے جو اللہ سے ڈرا کر کام کرواوے، ایمان ہی ایسی چیز جو کسی کے بھلے یا برے کہنے کی پرواہ نہ کرے، کوئی کچھ بھی کہے کوئی بات نہیں ...... مجھے تو اللہ کا کام کرنا ہے، اللہ کے دین کا کام کرنا ہے، کوئی عزت کرے ......کوئی ذلت دے ......کوئی بات نہیں، عزت اور ذلت دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔

ایمان ایسا خزانہ ہے جو ہم سے ہٹے گا نہیں ......ہم سے کٹے گا نہیں ...... دنیا کے

سارے خزانے، دنیا کی ساری حکومتیں، ساری دولتیں، یا تو آدمی ان سے کٹ جائیگا یا وہ خود ہٹ جائیں گی، اس میں کٹ کٹاؤ ضروری ہے، ساری نعمتیں ایمان کے سوا چھوٹ جاتی ہیں، ایمان ایسی نعمت ہے جو ہٹے گی نہیں، کٹے گی نہیں، ایمان والے کے ساتھ رہے گی، اور اس کی رہبری کرے گی، جب ایمان بڑھ جاتا ہے، تو خدا کا خوف تیز ہوجاتا ہے، ایمان تیز ہوگیا ہے، تو یقین تیز ہوجاتا ہے،،، ایمان تیز ہوجاتا ہے تو اللہ کی محبت بڑھ جاتی ہے..... آخرت کی محبت بڑھ جاتی ہے..... اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیدا ہوتی ہے.... ایمان کے راستہ سے یہ ساری شعاعیں پھوٹتی ہیں، پھر وہ مخلوق پر رحم کرنے والے بن جاتے ہیں، کیونکہ ایمان آیا تو ایمان بڑا خزانہ ہے، قبر میں..... قیامت میں..... حشر میں...... پل صراط میں، ہر جگہ یہ کام دینے والا ہے، اسے کوئی آپ سے لوٹ نہیں سکتا، ایمان نہیں لوٹا جاتا، باقی ساری دولتیں لوٹ لی جاتی ہیں، چھینی جاتی ہیں، کیونکہ وہ دلوں میں اتری ہوئی ہے۔

ایمان کو مضبوط بنانا ہے:

اس ایمان کو مضبوط بنانے کیلئے اللہ کے حکموں والی محنت کرائی جاتی ہے، جب اللہ کے حکموں والی محنت اخلاص کے ساتھ کی جائیگی، اور کوئی غرض نہیں ہوگی، کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوگا، کوئی ہوس نہیں ہوگی، ایک اللہ ہی صرف مقصود ہوگا، اور اس کا کام اسی کے لئے کیا جائے گا تو ایمان مضبوط ہوگا، اور یہ ایمان ہر موڑ پر، ہر گھاٹی میں کام دے گا، اور حکموں پر جمادے گا...... نہیں تو ایمان کی کمزوری کیوجہ سے پاؤں پھسل جاتا ہے، پھر انسان اچھے حالات میں پھنس جاتا ہے، اور برے حالات میں ناامید ہوجاتا ہے، یہ ہوتا ہے، اور یہ کمزوری ہے، اور ناگوار حالات آئے تو ناامید ہوگئے، نراش ہوگئے، اور

نراش ہو کر پیچھے ہو گئے...... یہ انسان کی طبیعت ہے، نعمتیں آویں تو نعمتوں میں ڈوب جاوے، اور تکلیف تنگی آوے تو اس میں ناامید ہو کر رک جاوے، یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، کمزور ہیں...... ﴿وَاِذَا أنْعَمْنَا عَلَى الإنْسَانِ أعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ﴾ [الإسراء/ ۸۳] ہم انسانوں کو نعمتیں دیتے ہیں، ان کا اکرام اعزاز کرتے ہیں تو یہ منھ پھیر لیتے ہیں، پیچھے ہو جاتے ہیں، دور ہو جاتے ہیں، اب مسجد میں آنے کا وقت نہیں ہے...... دین کے کام کا وقت نہیں ہے...... فجر کی نماز پڑھنے کا وقت نہیں ہے..... عشاء کی نماز میں حاضری نہیں ہوتی ہے...... کیوں کہ وہ بڑے آدمی ہیں، اللہ نے بڑا بنایا، تو اب گنجائش نہیں ہے، اور آگے اللہ فرماتا ہے ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُوْسَا﴾ [الإسراء/ ۸۳] کہ اس کو تکلیف ناگواری آگئی تو ناامید ہو کر بیٹھ گئے، تو نہ یہ حالت راس آتی ہے، نہ وہ حالت راس آتی ہے، کوئی حال راس نہیں آرہا ہے، ہر حال پیچھے ڈال رہا ہے، یہ فرمایا قرآن شریف نے، کیوں کہ اسی میں کمزوری ہے۔

اندر کی طاقت ضروری ہے:

ہر مشین اپنے اندر کی طاقت سے چلتی ہے، باہر کی طاقت سے کوئی مشین نہیں چلتی ہے گاڑی کو دھکا دو، کہ نہیں! ہوائی جہاز کو دھکا دو، کہ نہیں! ہوائی جہاز اپنی طاقت سے چلے گا، گاڑی اپنی طاقت سے چلے گی، گیس کا چولہا اپنی طاقت سے چلے گا، اندر گیس ہے، اگر گیس ختم ہو گیا تو پھر وہ کام نہیں کرے گا، گاڑی ٹھنڈی ہو گئی تو وہ نہیں چلے گی، چنانچہ ہر مشین اپنی اندر کی طاقت سے کام کر کے بتاتی ہے۔

انسان مشین کی طرح ہے:

ایسے ہی ہر مسلمان اپنے ایمان کی طاقت سے خدا کے دین کا کام کرے گا..... مشین کی طرح سے اللہ نے اسے بھی بنایا ہے، اگر ایمان کی طاقت آ گئی تو پھر ہر حال میں کام کریگا، کوئی چیز روکے گی نہیں، جیسے مشین اگر صحیح ہے تو وہ کام کرے گی، تو ایمان میں طاقت آتی ہے، ایمان میں روشنی آتی ہے، تو اس سے بات سوجھتی ہے..... دوسروں کی لائٹ میں گاڑی نہیں چلا کرتی ہے..... جیسے سڑک کی روشنی میں گاڑی کو نہیں چلنے دیا جاتا، اس کو اپنی روشنی لانی پڑتی ہے، اسی طرح ہر مسلمان اپنے نور ایمان سے چلے گا، نور ایمان کی وجہ سے وہ ٹھوکر نہیں کھائیگا..... گناہوں میں نہیں پڑے گا، خواہشوں میں نہیں پھنسے گا، روشنی اس کے سامنے آتی ہے، پھر سنتوں پر عمل ہوتا ہے، حکموں کو پورا کیا جاتا ہے، تو نور بنتا ہے، ایمان کا نور..... عملوں کا نور..... نماز کا نور..... حدیث شریف میں ہے "الصلاۃ نور" نماز نور ہے، "الصبر ضیاء" صبر روشنی ہے، تو اندر کے حالات میں..... صبر ہے، شکر ہے، اطاعت ہے، یہ اچھے حالات ہیں، اچھے نتائج لاتے ہیں، اگر یہ اندر سے اچھے نہیں ہیں تو پھر حالات بگڑ جاتے ہیں، پھر آدمی دوسری لائین پر جاتا ہے، غافل ہو جاتا ہے، اور دور ہو جاتا ہے، نعمتیں بڑھتی ہیں، اور اللہ سے دوری بھی بڑھتی ہے، جتنی نعمتیں بڑھیں اتنی دوری بڑھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑی دولت دیدی ہے، بڑی ثروت دیدی ہے، بڑی اچھی حیثیت بنائی ہے، تو دوری ہو گئی..... یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے..... کہ میں نے تو نعمت دی ہے، میں نے تو اکرام کیا..... میں نے تو بغیر مانگے دے دیا..... اور یہ اللہ کی عادت ہے مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، کیونکہ اللہ کریم ہے، سخی مانگنے سے دیتا ہے، لیکن جو کریم ہوتا ہے، وہ مانگنے کا انتظار نہیں کرتا، اس کے کرم کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ بن مانگے عطا کر دے، اللہ نے اپنا تعارف اپنے کرم سے کرایا ہے، کہ میں کرم کرنے والا ہوں، تو کرم سخاوت سے آگے ہے، قرآن کریم کی پہلی آیتیں نازل ہوئی ہیں ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ، مِنْ عَلَقٍ،

إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ﴾ [العلق/۱،۲،۳] پڑھئے اے نبی ﷺ آپ کا رب تو بہت کرم کرنے والا ہے، کائنات کا سارا نظام اللہ کے کرم سے چل رہا ہے، صرف اللہ کے کرم کا اثر ہے، ورنہ اللہ پر کوئی واجب نہیں ہے، اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے، مگر وہ تو بغیر مانگے دیتے ہیں۔

عطاءِ ربانی:

دوسری شان اللہ کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے شروعات کرتے ہیں، تحریک کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....کوئی جنبش کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....اپنی طرف سے شروعات کریں گے، کس میں؟ نعمت دینے میں! اذکار ماثورہ میں یہ ہے "اللھم یا مبدی النعم قبل استحقاقھا" اے وہ پروردگار جو اپنی طرف سے نعمت دینے میں شروعات کرتا ہے حالانکہ کسی کا کوئی حق اس پر ہے ہی نہیں! سب کچھ اللہ کا ہے، اس کے باوجود نعمت دینے میں اپنی طرف سے شروعات کرتے ہیں، تو نعمت کے جواب میں کیا کرنا چاہئے؟ نبیوں کا طریقہ الگ ہے، دنیا والوں کا طریقہ الگ ہے، دنیا والوں کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی نعمتیں آویں انکی محبت بڑھ جائے گی، اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانا، ان کو جمع کرنا یہ دنیا داروں کا کام ہے، نعمتوں کی وجہ سے ان کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ وہ انھیں یاد نہیں رہتا، نعمتوں نے انھیں غافل کر دیا ہے، وہ اللہ کے حق سے جاہل ہو گئے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ نعمتوں سے چوکنا رہو، جیسے گناہوں سے چوکنے رہتے ہو، کیونکہ نعمتوں کا اثر پڑتا ہے، یہ فرماتے تھے، نعمتوں سے چوکنے رہو "احتفظ نفسك من النعمة احتفاظك من المعصية" کہ نعمتوں سے ایسے چوکنے رہو جیسے گناہوں سے چوکنے رہتے ہو، کیوں کہ نعمتیں اللہ کو بھلا دیں گی، تو انسان اللہ کو اور آخرت کو بھول جاتا ہے.

جیسے قارون اللہ کو بھول گیا، اور آخرت کو بھی بھول گیا، قارون کو مال دے کر اللہ نے

فرمایا: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰکَ اللّٰہ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَاتَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَ أَحْسِنْ کَمَا أَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ﴾ ہدایت مال کے ساتھ نہیں آئی، تجھ کو اللہ نے مال دیدیا ہے، اپنی آخرت بنالینا، یعنی حکموں کو پورا کرنا! تا کہ آخرت بنے...... یہ نعمتوں کا وظیفہ بتایا، نعمتوں کی ڈیوٹی بتائی، نعمت جس کو ملے وہ اپنی آخرت بناوے.... اس لئے نعمت دی ہے، تو اس کے لئے یہ ہدایت دی تھی کہ اپنی آخرت بنانا، اپنا حصہ مت بھول جانا، نہیں تو نعمت میں لگا رہے گا۔

آخرت کا فکر:

جو آخرت کو بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، پھر اللہ اس کو سزا دیتے ہیں، کیا سزا دیتے ہیں؟ سزا یہ دیتے ہیں کہ وہ جس طرح اللہ کو بھول گیا ہے اپنے آپ کو بھول جائے گا، مجھے کیوں پیدا کیا تھا؟ مجھے کیا کرنا ہے؟ میری کیا روش ہونی چاہئے؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ یہ اپنے آپ کو بھولا ہوا ہے، جیسے نشے والا شخص اپنے آپ کو بھول جاتا ہے، ﴿وَلَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوْا اللّٰہ فَاَنْسَاھُمْ أَنْفُسَھُمْ﴾ یہ جواب ہے کہ ایسے نہ بنو اللہ کو بھول جاؤ، اگر اللہ کو بھول جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ذاتوں کو تم سے بھلا دینگے.... پھر نعمت کا نشہ چڑھ جائے گا، تاجر کو تجارت کا..... مالدا کو مالداری کا...... زمیندار کو زمینداری کا...... عہدے دار کو عہدے داری کا...... غرور پیدا ہو جائے گا، اور وہ دھوکہ کھائے گا، دنیا داروں کا یہی طریقہ ہے، یہ لوگ نعمت کی بڑھوتری میں لگ جاتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ تمام چیزیں مجھے کیوں دی ہیں؟ یہ نعمت مجھے کیوں ملی ہے؟ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟ فوجوں کو گاڑیاں دیتے ہیں، سہولتیں دیتے ہیں، ہتھیار دیتے ہیں، گھوڑے دیتے ہیں...... ہر حکومت میں بہت بڑا خرچ فوج پر ہوتا ہے، وہ کیوں؟ ان کو سہولت دینے کیلئے؟ نہیں! بلکہ ان کے ذمہ ہے حدود کی حفاظت..... اس ذمہ داری کو پورا

کرنے کے لئے سارا سامان ان کو دیا ہے، انھیں شکار کرنے کے لئے گھوڑے نہیں دیئے ہیں.......انہیں بندوق شکار کرنے کیلئے نہیں دی ہیں..... ہوا کھانے کیلئے نہیں دی ہے، کام کیلئے دی ہیں.....ایسے ہی ایمان والوں کے ذمہ دنیا میں ایمان کا کام ہے ایمان کے حدود، ایمان کی سرحدیں، ایمان کے حقوق ان کی حفاظت کرانے کے لئے ان کو یہ ساری نعمتیں دی گئیں ہیں۔

دنیا والے نعمتوں میں اپنی خواہشیں پوری کرتے ہیں، اور دین والے اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں، یہ نبیوں کا طریقہ ہے، جیسے اللہ نے قارون سے فرمایا: ﴿وَابْتَغِ فِیْمَا اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الاٰخِرَۃَ ولاتَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَ أَحْسِنْ کما أَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ﴾ کہ ہم نے نعمت دی ہے آخرت بنالے، اس نے نہیں بنائی، تو آخرت بھی گئی، یہ خالی قارون کے لئے نہیں ہے، یہ سب کیلئے ہے، یہ فرمان قرآن میں اس لئے نازل ہوا تا کہ قیامت تک پڑھا جائے، اور عمل کیا جائے، یہ قیامت تک کے لئے رہبری ہے۔

مسنون دعاؤں میں رہبری ہے:

حضور ﷺ سے جو مسنون دعائیں وارد ہیں ان میں ہمارے لئے بہت رہبری ہے....خالی وہ دعا نہیں ہے، بلکہ ان میں رہبری ہے.....نعمت میں کیا کرنا چاہئے "أَللّٰھُمَّ مَارَزَقْتَنِی مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِی فِیْمَا تُحِبُّ" [الدعاء للطبرانی/۱۴] کہ وہ چیز جو آپ نے میرے من پسند دی ہے وہ آپ کا احسان ہے، اب مجھے یہ بھی توفیق دے کہ اس نعمت سے تیری رضامندی میں تیری خوشنودی میں مجھے طاقت ملے، نعمتوں میں شکر گزار بنو! اور نعمت دینے والے کا حق ادا کرو، رسول ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ آپ تو اللہ کے بخشے بخشائے بندے ہیں آپ پر کچھ نہیں ہے.....پھر بھی آپ اتنی عبادت

کرتے ہیں.....آپکے پاؤں مبارک پر ورم آتا ہے، تو اتنی محنت آپ کیوں کرتے ہیں؟ تو کیا جواب دیا!!! یہ جواب، "افلا اکون عبدا شکورا" کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب اس نے مجھے اتنی عزت بخشی ہے.......کہ مجھے بخشا بخشایا بنادیا تو میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں !!!! اس لئے یہ عبادت شکر گزاری میں ہو رہی ہے یہ نعمت دینے والے کا حق ہے، اسلیئے اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہی کہی جاتی ہے......علماء نے لکھا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہ ہے کہ شکر گزاری کی نیت سے کام کرے، کہ اللہ نے مجھے یہ نعمت دی ہے تو میں اس نعمت سے وہ کام کروں گا جس سے میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔

مخصوص ثواب:

شکر گزار بندوں کا یہ مخصوص ثواب ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں وہ شکر گزار ہوتے ہیں.....کہ مال کو وہاں خرچ کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حق ہے.....یہ شکر گزاری ہے، ایک صحابیؓ کے پاس حضور ﷺ کا آدمی آیا کہ آپ کے پاس مال ہے.....ان کے پاس اونٹ بکریاں تھیں، یہ عرب کا مال ہوتا تھا، جیسے اب پیٹرول سونا چاندی ہوتا ہے، یہ پیٹرول سونا اس وقت نہیں تھا، لوگوں کا مال ان کے مویشی اور جانور ہوتے تھے "مال العرب الماشية" یہ کہا جاتا تھا کہ عرب کا مال ان کے جانور ہیں ہزاروں بکریاں ہوتی تھیں.... آج بھی ایسا ہی ہے، آپ یمن جائیں گے، شام جائیں گے، تو دیکھیں گے کہ آدمی ہزاروں بکریوں کا مالک ہے اور یہی ان کا مال ہے، سینکڑوں اونٹ جنگل میں چرتے ہیں، ان کے بچے کچے ہوتے ہیں، بڑھتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ آتی ہے.....جیسے سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے، اب تو لوگ زکوٰۃ بھی پوری نہیں دیتے......اگر ہر مسلمان اپنی پوری پوری زکوٰۃ نکالے تو غریبوں کی غریبی دور ہو جائے گی.......پھر غریبی کا مسئلہ نہ رہے، غریبوں کی غربت کے لئے جتنی حاجت تھی، اتنی حاجت اللہ نے واجب کی ہے، لیکن لوگ پوری

زکوٰۃ نہیں دیتے۔

زکوۃ کی دعوۃ:

حضور ﷺ زکوٰۃ دینے کی دعوت دیتے تھے......اس لئے خالی دعوت پانچ کاموں کی مت سمجھو! پانچ کام تو الف، ب، ت، ث، ہیں، پرائمری تو آگے ہے، ابتداء تو لوگوں میں رغبت پیدا کرنے کے لئے.....آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے ہے، آگے پورا دین ہے.....دین اعمال کے مجموعہ کا نام ہے.....اس میں عبادت بھی ہے، اس میں مالیات بھی ہے، سب چیزیں ہیں، وہ زندگی میں لانا ہے، یہ خالی پھرنا نہیں ہے، پھرنا بھی اسی لئے ہے کہ بات سمجھ میں آوے......بات کا یقین آوے، خوف آوے، تاکہ صحیح کام کریں، اس لئے اس کو آخری نہیں سمجھنا، کہ یہ فائینل ہے......مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ ہمارے قافلوں کی نقل وحرکت یہ تو ہمارے کام کی الف، ب، ت، ہیں، اور بہت سے فرائض باقی ہیں، اگر وہ پورے نہیں تو اس کا حساب دینا پڑے گا، چاہے جماعت والا ہو، چاہے بے جماعت والا ہو، اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے، مولانا الیاس صاحبؒ یہ فرماتے تھے کہ میری تمنا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زکوۃ پوری پوری ادا کرے، علماء سے پوچھ پوچھ کر ادا کرے، کتنے مال میں زکوۃ ہے؟ کب ہے؟ کسکو دینا ہے؟ مگر اب زکوۃ کا شوق نہیں ہے.....زکوۃ کا جذبہ نہیں ہے.......

حج بھی بہت کریں گے، عمرے بھی کریں گے، حالانکہ حج پوری عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، اور زکوۃ ہر سال فرض ہے، مگر ہر سال حج کریں گے، اور زکوۃ ادا نہیں کریں گے، اس جذبہ کا نام دین نہیں ہے......حج کا جذبہ، عمرہ کا جذبہ، بہت مبارک، مگر جو فرائض رہ جاتے ہیں انکا کیا ہوگا؟ وہ تو اللہ تعالی کا حق ہے، اور مسکینوں کا حق ہے،

وہ حق مارا گیا.

زکوۃ ادا کرنا صاحب زکوۃ کی ضرورت ہے:

کتنی کتنی لائینوں کی زکوۃ ہے ...... علماء سے پوچھو! صرف کیش پر زکوۃ فرض نہیں ہے، لوگ صرف کیش کی زکوۃ دیدیتے ہیں، یا مدرسہ کا کوئی سفیر چندہ کے لئے آجاتا ہے اسکو دیدےتے ہیں حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے...... لوگ اپنی زکوۃ کو...... اپنے صدقہ کو غریب کی ضرورت سمجھتے ہیں، غریب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپکی ضرورت ہے، مالدار کی ضرورت ہے، جیسے دھوبی سے کپڑے دھلوائے جاتے ہیں تو وہ دھوبی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہماری ضرورت ہے...... تاکہ ہمارے کپڑے پاک ہوں...... اسی طرح زکوۃ دینے سے ہمارا مال پاک ہو جائے گا...... جس مال کی زکوۃ نکلی نہیں وہ مال ناپاک ہے، اسمیں میل ہے...... لوگوں کا حق ہے...... مالدار لوگ زکوۃ نہ دینے کی وجہ زکوۃ کا مال کھا جاتے ہیں...... یہ اللہ کا حق ہے.

عمروں کا شوق...... حجوں کا شوق مبارک ہے، مگر اس طرح ذمہ داری پوری نہ ہوگی بلکہ شوق پورا ہوگا، ثواب ملے گا میں اس سے انکار نہیں کرتا، لیکن زکوۃ نہ دینے کا بھی بڑا عذاب ہے.

پورے مال کی زکوۃ واجب ہے:

پائی پائی کی زکوۃ ایسے ہی واجب ہے جیسے نماز میں چار رکعتیں ہیں، تو ہر رکعت فرض ہے، یہ نہیں کہ تین پڑھ لیں اور ایک رہ گئی، اس طرح نماز نہ ہوں گی...... مال نعمت ہے، اس میں حق ہے، اگر انسان کا ایمان تازہ ہوتا ہے تو اس حق کو خوشی خوشی ادا کرتا ہے، کہ اللہ نے مجھے مال دیا ہے، اگر اللہ تعالی غریب بنا دیتا تو دوسروں کی زکوۃ وخیرات کھانا پڑتی،

آج اللہ نے مجھ کو مال دیا ہے، تو اس میں اللہ کا حق ادا کروں گا..... یہ کہا گیا ہے کہ خوش دلی سے زکوۃ دے۔

زکوۃ ادا کرنے میں صحابہ کا جذبہ:

ایک صحابی کے پاس زکوۃ وصول کرنے والا آیا، تو انہوں نے جانوروں کی زکوۃ کا حساب لگا کر بتایا کہ آپ پر اتنے عمر کا اونٹ واجب ہے.....تو ان صحابی نے کہا کہ جس عمر کا اونٹ آپ مجھے بتا رہے ہیں وہ چھوٹی عمر ہے، وہ کیا کام دے گا؟ میری رائے کہ اچھی عمر کی اونٹنی لے جایئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ مجھ سے وصول کر کے کسی غریب ہی کو دیں گے ......اگر آپ اچھی عمر کی اونٹنی لے جائیں گے تو وہ دودھ دے گی، کسی غریب کا بھلا ہو جائے گا......یہ صحابہ کا جذبہ تھا کہ جتنا واجب ہے اس سے زیادہ لے لیجئے..... چونکہ شریعت کا معاملہ ہے، تو انہوں نے کہا کہ فرض میں زیادتی نہیں ہوتی، جتنا واجب ہے اتنا ہی ادا کیا جائے گا......مغرب میں تین رکعت ہیں تو چوتھی نہیں......فجر میں دو رکعت فرض ہیں تو دو ہی پڑھی جائیں گی تیسری نہیں......اس لئے جو واجب ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، یہ فرض ہے۔

صحابہ احکامات سے واقف تھے:

صحابہ شریعت سے اچھی طرح واقف تھے، مسائل کو بھی جانتے تھے، فضائل کو بھی جانتے تھے.....ہماری طرح سے نہیں تھے، فضائل تو یاد ہیں مسئلہ یاد نہیں ہے، تو عمل غلط ہوگا.....فضیلت نہیں ملے گی، فضیلت اس وقت ملے گی جب عمل کو صحیح کریں گے، اور عمل صحیح کرنے کے لئے مسائل جاننا ضروری ہے، پھر مسائل اور فضائل دونوں جمع ہو جائیں گے......مسائل صحیح ہوں گے پوری فضیلت ملے گی، مولانا یوسف صاحبؒ اس کی تاکید کرتے تھے کہ اپنے پاس اپنے فضائل اور مسائل جمع کرو، اب وہ بات نہیں کہی

جاتی اس لئے لوگ مسائل سے بے خبر ہیں...... عمل الٹے سیدھے ہوتے ہیں۔

صاحب زکوٰۃ کا زیادہ دینے پر اصرار:

وہ مسائل سے واقف تھے کہ میں زیادہ نہیں لے سکتا، یہ فرض ہے، فرض میں زیادتی کرنے کا حق بھی نہیں ہے، کمی کرنے کا بھی حق نہیں ہے، نصیباً مفروضا کہ ایک حصہ مقرر کیا ہوا اس میں کم زیادہ نہیں...... انھوں نے کہا میں خوشی سے دے رہا ہوں! آج مجھے اللہ نے مال دیا ہے، آج اللہ کے نبی ﷺ کا آدمی میرے پاس زکوٰۃ وصول کرنے آیا میری سعادت ہے، انھوں نے کہا پھر بھی نہیں، اگر آپ کو اصرار ہے تو رسول ﷺ کا قیام یہاں قریب میں ہے وہاں چلو! وہیں مسئلہ رکھو! اگر حضور ﷺ منظور فرماویں، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، ورنہ مجھے زیادہ لینے کا حق نہیں ہے۔

مسئلہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں:

سب مسائل والے تھے، سنت شریعت پر عمل کرنے والے تھے..... اور مسئلہ جانتے بھی تھے، مسئلہ بتاتے بھی تھے، مگر دونوں گئے، اور جا کر پورا ماجرا عرض کیا، کہ یہ ہوا، حضور ﷺ نے بھی وہی بات فرمائی کہ آپ کے اوپر فرض تو یہی ہے، کیوں کہ نبی کو گھٹانے بڑھانے کا حق نہیں ہے، وہ تو اللہ کی طرف سے آتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ فرض تو یہی ہے، اس سے زیادہ نہیں، صحابی نے کہا میں خوشی سے پیش کرتا ہوں، تو فرمایا کہ ٹھیک ہے میں قبول کرتا ہوں، مگر یاد رکھنا کہ فرض وہی ہے...... تمہارے اخلاص کی وجہ سے ہم اسے قبول کر لیتے ہیں، اور دعا دی، یہ مخلص کہلاتے ہیں...... یہ ایمان کی بات ہے۔

داؤد وسلیمان علیہما السلام کی بادشاہت:

اگر ایمان تیار ہوتا ہے..... تو انسان اپنی ذمہ داری خوشی خوشی پوری کرتا ہے، اللہ

نے مجھے موقع دیا ہے..... یہ نبیوں والا طریقہ ہے، اپنی نعمتوں میں نعمت دینے والے کا حق ادا کرنا، اور خوشی خوشی سے ادا کرنا، حضور ﷺ شکر میں نماز پڑھ رہے ہیں، کہ مجھے بخشا بخشایا بنایا، اس لئے اب اس کی عبادت میں ایسے کرونگا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جاوے..... اللہ نے داؤدؑ اور سلیمانؑ۔ باپ بیٹے۔ دونوں کو بادشاہ بنایا، اور بادشاہت بھی دونوں کی عجیب ہے، سلیمانؑ کی بادشاہت مشہور ہے، اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا پر ان کو بادشاہت دی، جناتوں پر..... پرندوں پر..... ہواؤں پر...... ایسی بادشاہت کسی کو نہیں ملی، داؤدؑ ان کے باپ ہیں، اللہ نے ان کو بادشاہ بنایا، بنی اسرائیل کا ایسا بادشاہ کوئی نہیں گزرا، نبی بھی ہیں اور بادشاہ بھی ہیں، اور بنی اسرائیل کے ایسے بادشاہ ہیں کہ سارے بنی اسرائیل ان کی بادشاہت پر متفق ہو گئے تھے..... ورنہ بنی اسرائیل کبھی نبیوں پر متفق نہیں ہوتے تھے، ہمیشہ نبیوں سے کھینچ تان ان کی رہتی ہے، اس کی سزا بھی پاتے رہتے تھے داؤدؑ کی بادشاہت کا نمبر تھا، تو بنی اسرائیل متفق ہو گئے، یہی کتابوں میں لکھا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو بادشاہت دی، اور نعمتیں دیں، تو ان نعمتوں کے جواب میں وہ کیا کرتے تھے؟؟؟ حدیثوں میں ہے کہ زبور کی تلاوت کرتے تھے، زبور کی تبلیغ کرتے تھے، اور ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن افطار کرتے تھے، اور راتوں کی عبادت کے لئے اوقات اور گھڑیاں مقرر کر رکھی تھیں، اس گھڑی سونا..... اس گھڑی میں اٹھنا..... عبادت کرنا...... کیوں؟ اس لئے کہ نعمتیں بہت ہیں، اور اللہ کا تقاضا بھی تھا کہ ﴿اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُكْراً وَقَلِيْلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْر﴾ [سبا/۱۳] اے داؤدؑ کے خاندان والوں اپنی کارگزاریاں شکر والی بناؤ! قرآن پاک پڑھیں آپ کی رہبری کرے گا، میرے بندوں میں شکر گزار بہت تھوڑے ہیں، یہ شکایت ہے، رپوٹ اللہ کی ہے...... کہ میرے بندوں میں شکر گزار بہت تھوڑے ہے۔

شکر گزار بندے کم ہیں:

شیطان جب مردود ہوا، اور اللہ نے اسے نکالا، وہ یہ کہہ کر اترا ہے...... میں تیرے بندوں کو ایسا بہکاؤں گا کہ شکر گزار تھوڑے رہ جائیں گے، ﴿وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ﴾ قرآن کی آیتیں ہمارے لئے ہدایت ہیں..... ہم کو چوکنا کرتی ہیں.... یہ دعوت اسی لئے ہے، یہ محنت اسی لئے ہے...... کہ یہ چیزیں زندگیوں میں آویں، اور زندہ ہو جاویں، تو یہ شیطان کا اللہ کے سامنے چیلنج تھا۔

شیطان مردود کا چیلنج:

یہ اس کی جرأت ہے کہ مردود ہونے کے بعد اس نے یہ کہا کہ میں آدم کی اولاد کو ایسا بہکاؤں گا انکے مالداروں کو اسراف میں ڈالوں گا..... اور اسراف سے تبذیر پر جائیں گے، اسراف کہتے ہیں ضرورت سے زیادہ خرچ کر دینا، پانچ روپیہ سے کام بنتا ہے پھر بھی پندرہ روپئے لگائے...... یہ اسراف کہلاتا ہے، ضرورت تو تھی لیکن پانچ سے پوری ہو جاتی، لیکن دس اور بڑھا دی، یہ شیطان کی چال ہے، حدیثوں میں ہے کہ مالداروں کو اسراف سکھایا، جب ان کے مالوں میں اسراف آئے گا تو انکے مالوں کی برکت اڑ جائے گی، یہ مسرف ہیں، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا..... یہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔

ایک برائی دوسری برائی پر لے جاتی ہے:

پھر ایک بدی دوسری بدی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے..... ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے، یہ قاعدہ ہے..... میری بات سمجھ میں آرہی ہے؟؟؟ ''الحسنات أخوات، والسيئات أخوات'' یہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے، کہ نیکیاں آپس میں بہنیں ہوتی ہیں، اور بدیاں بھی آپس میں بہنیں ہوتی ہیں، یہ مثال کے طور پر سمجھایا ہے، کہ ایک

سے رشتہ ہے ایک بہن نکاح میں ہے، ظاہری بات ہے دوسری بہن ملنے کے لئے آئے گی۔ کہ یہاں میری بہن ہے، ایک بدی سے رشتہ ہو گیا، دوسری بدی اس کی بہن ہے، وہ بھی آئے گی، ایک گناہ میں تھا، دوسرا گناہ آجائے گا.....ایک نیکی پر تھا، دوسری نیکی آئے گی، کہ آدمی نے وضو کیا ہے، تو دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھے گا.....ایک نیکی وضو کی تھی، وہ نیکی تحیۃ الوضو پر لے گئی، سنت ہے، کہ وضو کیا ہے، دو رکعت نماز پڑھ لو، وضو کا حق یہی ہے، پھر تحیۃ الوضو پڑھنے کے بعد دعا مانگے گا یہ تیسری نیکی ہوئی، کہ وضو بھی کیا دو رکعت نماز بھی پڑھی، دعا بھی مانگی۔

نیکیوں سے رشتہ جوڑوں:

اس طرح نیکی آتی رہے گی.....اگر گناہ اور بدی سے رشتہ جوڑا تو اس کی بہنیں ہیں، وہ آئیں گی.....تو اسراف زندگیوں میں آیا، اس کی بہن دوسری ہیں، وہ کیا؟ تبذیر... ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾ یہ تبذیر ہے.....کوئی ضرورت نہیں، صرف شوق ہے، کہ راستہ شیطان نے کھولا ہے، تا کہ اللہ کی شکر گزاری نہ ہو، اور نبی نے وہ راستہ کھولا تھا کہ کوئی اسراف نہ کرے، بلکہ مال کو نعمت سمجھ کر خرچ کرے، حق پر خرچ کرے، حق ادا کرے، اور خیر کماوے، حکم پر لگاوے، حق پر لگاوے۔

ہر جگہ اسراف ہے:

آج دنیا میں ہر جگہ اسراف ہے..... بازاروں کو دیکھ لو.....شادیوں کو دیکھ لو..... کھانوں کو دیکھ لو..... کپڑوں کو دیکھ لو......سواریوں کو دیکھ لو...... یہ سب ہم مسلمانوں میں ہیں، اس لئے ہماری مالی حالت کمزور ہو گئی ہے، اور غریبوں کا حق ادا نہیں ہو رہا ہے، اس لئے ان مالوں میں برکت نہیں ہے، اور برکت کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے مال سے آخرت بناوے...... جب آخرت نہیں بنتی تو یہ بے برکت ہے، جیسے قارون سے کہا

کہ آخرت بنالے! تو جس نعمت سے آخرت نہ بنے وہ بے برکت ......وہ بس صرف غافل کرنے کے لئے اور گنہگار بنانے کے لئے ہے، اس میں کوئی برکت نہیں ہے، عداوتیں ہوتی ہیں، حسد ہوتا ہے، یہ بے برکتوں کے سارے جھگڑے ہیں۔

نعمتیں وہاں خرچ کریں جہاں اللہ راضی ہو:

میں نے کہا کہ نبیوں کا طریقہ نعمتوں کے بارے میں یہ رہا کہ نعمتوں کو وہاں خرچ کرو جہاں نعمتیں دینے والا راضی ہوجاوے......تو داؤدؑ وسلیمان نے اپنی نعمتوں میں اپنے آپ کو ایسا چلایا.......کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن افطار کرتے تھے، اور مزدوری سے کما کر کے کھاتے تھے، یہ حدیثوں میں ہے......حالانکہ وہ بادشاہ ہیں، ان کے پاس بیت المال ہے......خزانہ ہے، ان میں سے نہیں لیتے تھے، اجتماعی مال میں سے نہیں لیتے تھے، اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے، داؤدؑ لوہے کا کام کرتے تھے، زکریاؑ لکڑی کا کام کرتے تھے، اس سے آمدنی ہوتی تھی، اس آمدنی سے کھاتے تھے، حدیثوں میں ہے "کان یأکل بعمل یدہ" داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے، مال ان کے پاس ہے......خزانہ ان کے پاس ہے.......چابیاں ان کے پاس ہیں، مگر اجتماعی مال سے نہیں لیتے تھے، اپنے ہاتھ کی محنت اور ہاتھ کی مزدوری سے کما کر کھاتے تھے......یہ سب رسول ﷺ فرماتے تھے۔

نعمتوں میں کیسے رہنا ہے؟

بھائیو!

یہ سبق ہے....نعمتوں میں شکر گزار بننا ہے......اور شکر گزاری کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حق ادا کرنا ہے، دنیا دار الحقوق ہے، اور آخرت دار الاجور ہے، یہ ترتیب ہے، دنیا میں حقوق کی ادائیگی ہے.... یہاں حقوق آویں گے، سب سے پہلے اللہ کا حق ہے، اس کے رسول کا حق ہے.....اس کی کتاب کا حق ہے..... پھر آپس کے حقوق ہیں......تو دنیا

حقوق ادا کرنے کیلئے بنی ہے...... اللہ کے حقوق تھوڑے ہیں، بندوں کے حقوق زیادہ ہیں، اللہ کے حقوق پچیس فیصد اور بندوں کے حقوق پچھتر فیصد، اللہ نے آسانی کی..... زیادہ حقوق نہیں رکھے، کیوں؟ اس لئے کہ بندے کمزور ہیں، وہ پیدا کرنے والا ہے، ﴿وَخُلِقَ الانْسَانُ ضَعِيْفاً﴾ [النساء/ ۲۸] یہ کمزور پیدا ہوا ہے، تو اللہ نے اپنے حقوق کا بوجھ کم کردیا، ﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ اليُسْرَ وَلا يُرِيْدُ بِكُمُ العُسْرَ﴾ [البقرہ: آیت: ۱۸۵] اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، دشواری کا ارادہ ہی نہیں ہے، اس لئے اپنے حقوق تھوڑے رکھے، اور اس میں معافی کی گنجائش بھی رکھی، میرا اپنا حق ہے، وہ معاف کردوں گا، ہماری فقہ کی کتاب "هدايه" ہے، علمائے کرام پڑھاتے....اور پڑھتے ہیں، چار جلدیں ہیں، پہلی جلد طہارت سے شروع ہوکر کے حج پر ختم جائے گی، یہ اللہ کا حق ہے...... پھر دوسری شروع ہوگی، وہ نکاح سے لے کر میراث تک ہے......اور وہ تین جلدوں میں ہیں...... نکاح، وصیت اور میراث وغیرہ تین جلدوں میں ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ ۲۵ فیصد اللہ کا اور ۷۵ فیصد تمہارا اپنا حق ہے، یہ دین ہے۔

حقوق میں انصاف اور احسان کا حکم ہے:

ان حقوق میں انصاف کے ساتھ رہو! جسکا جو حق ہے ادا کرو! اور اپنی طرف سے احسان بھی کرو! تو تمہارے ساتھ اللہ احسان کریں گے..... یہ انصاف سکھایا، احسان سکھایا، اور ایک ایک حق کی ذمہّ داری دی، کہ حق ادا کر کے دنیا میں رہو، حقوق ادا کرو گے تو خوشحال رہو گے، حضرت شیخ زکریا کی آپ بیتی ہم مدرسہ والوں کی رہبری کرتی ہے، کہ مدرسہ والو! مدرسہ میں مدرسہ کا حق ادا کرو! مدرسہ کے بارے میں پورے محتاط رہو، انشاء اللہ خوشحال رہو گے، یہ ہدایت سب کے لئے ہے، جن جن کے جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی میں رہیگا خوش حال رہیگا، تو مدرسہ والوں سے کہتے تھے کہ حقوق کی ادائیگی میں

پوری امانت داری سے رہو، تو مدرسہ کا کام امانتداری سے کرو! خوشحال رہو گے، اللہ تعالیٰ راضی ہو کر نعمتیں اور دے گا، دنیا میں حق پہچان کر رہنا ہے، اور سب سے پہلا حق اللہ کا ہے، اسکی عبادت کا حق ہے، ایمان لاکر اللہ کی عبادت کرنی ہے..... جان مال کو حکموں پر لگانا ہے.... مالی عبادتیں جانی عبادتیں یہ اللہ نے فرض کی ہیں، یہ عبادتیں پوری پوری ادا ہو جائیں۔

اللہ کے حقوق:

حضور ﷺ فرائض کی دعوت دیتے تھے، نماز کی..... روزوں کی..... زکوٰتوں کی..... حجوں کی...... یہ اللہ کے حقوق ہیں، اسے سیکھ کر اور یاد کر کے اللہ کی عبادتیں کی جائینگیں یہ اللہ کا حق ہے، معاذ بن جبلؓ سے حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ معاذ تمہیں معلوم ہے اللہ کا کیا حق ہے؟ معاذ بن جبل نے کہا: میں کیا جانوں؟ اللہ کے رسول بتادیں گے. آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا حق یہ ہے، کہ اس کی عبادت کی جائے....... اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جائے...... یہ پہلا حق ہے! اس لئے مسلمانوں کے مال..... مسلمانوں کی جانیں سب اللہ کی عبادت پر لگے، اسکے کلمہ کو پھیلانے پر لگے، یہ اللہ کا حق ہے، کہ عبادت جب زندہ ہوں گی اور اسکا کلمہ بلند ہوگا، دین بلند ہوگا، تو ارکان زندہ ہو جائیں گے، اور دین بلند نہیں ہوا، تو ارکان مٹ جائیں گے، امت میں جہالت پھیل جائیگی، ایسے بھی لوگ ہیں جنہوں نے برسوں نماز نہیں پڑھی ہے، جماعت میں پھر و تب پتہ چلے گا....... ہمارا ایک ملنے والا تھا انتقال کر گیا، زمیندار آدمی تھا، اپنی زمینوں میں مست تھا...... تبلیغ والے جاتے تھے ملاقاتیں کرتے تھے، تو ان پر خفا ہوتا تھا، کہ یہاں روزانہ آتے ہو رہبر کو دھمکاوے، یہاں لوگوں کو لاتے ہو؟؟؟؟ اس زمانے کے ساتھی بھی بہت پکّے ہوتے

تھے، کوئی دھمکاوے کوئی کچھ کہے اپنا کام کریں گے، اپنے کو چھوٹا بنا کر کام کرتے تھے..... کہ اللہ کا بندہ ہوں اللہ کا کام کرتا ہوں، اور یہی اللہ کو پسند ہے، یہ نہیں کہ میں ذمہ دار ہوں، مولانا انعام الحسنؒ اکثر یہ فرماتے تھے چھوٹے بن کر کام کرو! چھوٹوں پر ہاتھ شفقت کا رکھا جاتا ہے، جیسے چھوٹا بچہ ہے، اس پر ہر کوئی شفقت کا ہاتھ رکھے گا، کیوں کہ وہ چھوٹا ہے، وہی پسند کیا جاتا ہے، جھکاؤ پسند ہے، تو رہبر لے جاتے تھے اور وہ اپنا مست ہیں...... مالدار ہیں، زمیندار ہیں، اللہ کی شان! ایک دفعہ دو دفعہ جب بار بار لیکر جاویں تو ایک بار جھنجھلا کر کہا چلو پیچھا نہیں چھوڑتے..... چلو چلیں، تو گرمی کا زمانہ تھا کرتا لٹکا رکھا تھا، کرتا کندھے پر ڈالا جماعت کے ساتھ مسجد چلا گیا......اس کے بعد اسکی زندگی بدل گئی، مجھے کہنے لگے تیس برس پہلے جب میں بچّہ تھا تو میں نے قرآن پڑھا تھا، تیس برس میں نے قرآن نہیں پڑھا...... یہ خود ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے، اس لئے تعلق ہو گیا، کہ تیس برس ایسے گزرے ہیں کہ قرآن شریف کو دیکھا ہی نہیں۔

قرآن کا حق ادا کریں!

یہ بڑا ظلم ہے جنکی ہدایت کیلئے کتاب اتری ہے انہوں نے اسکا بائیکاٹ کر رکھا ہے، تیس سال ہو گئے ایسے لوگ ضدی ہوتے ہیں، جب اڑ جاتے ہیں تو اڑ جاتے ہیں، صحیح پر اڑیں تو صحیح، غلط پر اڑیں تو غلط، پہلے غلط پر تھا اب صحیح پر آیا، تو کہنے لگا بس اب میں اڑ گیا، اب روزانہ قرآن پڑھنے کی محنت کرتا ہوں....... حدیثوں میں ہے قرآن کی نگرانی کرو! ورنہ سینوں سے ایسے نکل جائیگا جیسے اونٹ جنگل میں بھاگ جاتا ہے، پھر ہاتھ نہیں آئیگا، مسلمانوں کو ہدایت دی کہ قرآن کی حفاظت کریں، تو اس شخص نے محنت سے پڑھنا شروع کیا، محنت شروع کی، تو اس نے کہا کہ اب مجھے قابو ہو گیا، مجھ سے کہنے لگے روزآنہ

دو پارہ میں پڑھتا ہوں، ہر مہینہ میں دو ختم ہوتے ہیں......پھر اپنے بیٹے کو حافظ بنایا، پھر بیٹے کو عالم بنایا اس طرح اس محنت کے ذریعہ سے ذہن تبدیل ہوتے ہیں، اور لوگوں کی زندگیاں بدل جاتی ہیں۔

جان مال اللہ کے حق کے لئے دی گئی ہیں!

اسلئے پہلا حق اللہ کا ہے......اللہ کی عبادت کا ہے......اور اللہ تعالی نے جان مال اسی لئے دی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا جاوے، اس کے کلمہ کو پھیلانے پر سب سے زیادہ جان مال لگے، کیوں کہ مسلمان کی جان مال کا پہلا حق ہے کہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنی جان مال لگاوے، تا کہ کلمہ بلند ہو....تو ارکان زندہ ہونگے، نمازیں، روزے، زکوۃ، حج، اور اسکو صحیح کرنے کے لئے اس کا علم لوگوں میں آئیگا۔

علم کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوسکتی!

علم کے بغیر عبادت کیسے صحیح ہوگی؟ اسلئے مسلمان کے مال میں سب سے پہلا حق اللہ کے کلمہ کو پھیلانا، یہ صحیح ترتیب ہے، جیسے فوج کو.... پولیس کو...... جو سامان دیا جاتا ہے وہ ملک کیلئے دیا جاتا ہے، ان کے ذاتی کام کے لئے نہیں دیا جاتا.....انکے ذاتی کام کے لئے ہر انکو تنخواہ دی جاتی ہے، اور یہ سارا سامان ملک کے حقوق کے لئے دیا جاتا ہے. کیوں کہ فوج کے ذمہ خارجی حقوق ہوتے ہیں، اور پولس کے ذمہ داخلی حقوق ہوتے ہیں، ایسے امت کو...... ایمان والوں کو جو مال ملا ہے چاہے وہ سلطنتیں ملی ہوں، اور چاہے طاقتیں ملی ہوں......وہ صرف اللہ کے کلمہ کیلئے ملی ہیں، یہ پہلا حق ہے، یہ تقاضہ ہے اللہ کا...... تا کہ کلمہ بلند ہو، ارکان اسلام زندہ ہوں..... زمین پر اللہ کی عبادت ہو، اللہ کے حقوق ادا ہوں۔

اللہ کے لئے جڑ جائیں!

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، لوگ جب اللہ پر جڑیں گے تو آپس میں جڑیں گے، اللہ پر ہی نہیں جڑے ہیں تو آپس میں بھی نہیں جڑیں گے، انکی زندگی میں خلفشار ہوگا، کیوں کہ اللہ پر ہی نہیں جڑے ہیں، جب اللہ ہی سے تعلق نہیں ہے، تو انکے آپس کے تعلق اپنے اغراض پر ہونگے، اپنی غرضوں کی وجہ سے ناراض ہوں گے...... اپنی غرضوں کیوجہ سے خوش ہونگے...... اپنی غرضوں کیوجہ سے حسد کیا جائے گا، اسلئے کلمہ کی دعوت ہے، ایمان کی دعوت ہے کہ لوگ اللہ پر جڑیں۔

قبر میں ذمہ داری کا سوال ہوگا!

موت تک ذمہ داریاں ہیں، جب قبر میں اترے گا ﴿ولاَ تَمُوْتُنّ إلاَّ وَ انْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ [تمہاری موت اس حال میں آوے کہ تم حکم ماننے والے ہو، مانتے مانتے مرجاؤ، یہ ذمّہ داری بتائی ہے...... تو اسلئے مسلمانوں کا مال، جان سب سے پہلے اللہ کے کلمہ کے لئے ہو، جب مسلمانوں کے اسباب اللہ کے کلمہ پر لگیں گے، اسکے دین پر لگیں گے، تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کی برکتیں انکے اسباب میں دیگا، اللہ کے دین میں برکتیں ہیں..... اللہ کے حکموں میں برکتیں ہیں..... بدلہ بھی ہے، لیکن کب؟؟؟ جب اپنے اسباب کو اللہ پر اسکے حکموں پر لگاویں گے، پھر انکے اسباب میں برکت دی جائیگی، انکے اسباب سے انکی آخرت بھی بنے گی انکی دنیا بھی بنے گی، اور یہ اپنے اسباب کو حکموں پر نہیں لگاویں گے، اسراف کریں گے، تو انکی برکتیں اللہ چھین لیتے ہیں، یہ لکھا ہے کتابوں میں، مال تو بڑھیگا لیکن برکت نہیں ہوگی۔

کثرت مال سے انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے:

اس لئے جتنا مال بڑھیگا تو یہ شخص پھسل جائے گا.....اسی میں اللہ کو، آخرت کو، قبر کو، قیامت کو بھول جائیگا، یہی مال کا دھوکا ہے.....اسکو غرور کہتے ہیں، کہ دنیا دھوکے کی جگہ ہے، جو اصلی چیز آنے والی ہے اسی کو بھول گیا، اس سے اللہ تعالی ناراض ہوتے ہیں، اور دیتے بھی بہت ہیں.....ناراض ہو کر بہت دیتے ہیں، وہ سمجھتا ہے، بہت آرہا ہے، کہ نہیں بلکہ یہ مال گرفتار کریگا، اسکی بہتات پکڑ کا سبب بنے گی....... پھر جب آگے نکل جاتا ہے، تو اللہ اچانک پکڑ کرتے ہیں، اور یہ مایوس ہو جاتا ہے، دنیا رہی نہیں، آخرت بنی نہیں، تو مایوسی کی حالت ہوگئی، ناراض ہو کر اللہ نے دیا ہے، برکت نہیں ہوتی، اور راضی ہو کر دینگے تو برکتوں کے ساتھ دینگے، تو دنیا بھی بنے گی آخرت بھی بنے گی۔

اللہ کا نظام الگ ہے:

یہ اللہ کا نظام ہے، علماء نے لکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اسباب نہیں چھینے گا، جیسے حکومتیں لائیسنس چھین لیتی ہیں، حکومتیں یہی کرتی ہیں، مگر اللہ نہ دکان چھینے گا، نہ مال چھینے گا، بلکہ باقی رکھے گا...... ہاں! اسکی برکت چھین لیگا، پھر بے برکتی سے بندہ پھنس جائیگا، حق بھی ادا نہیں کریگا.....اپنے آپ کو بھی بھول جائیگا، اسلئے مسلمانوں کے جان مال میں پہلا حق اللہ کا ہے، اللہ کے کلمہ کو پھیلانا، تا کہ ارکانِ اسلام زندہ ہو جاویں، سب سے بڑا حق یہی ہے.....اسکو نصرت کہتے ہیں، دو چیزیں واجب ہیں، اپنے اندر استقامت پیدا کرنا، اور استقامت کا مطلب ہے دین کے کاموں کا پابند ہونا، جیسے ملازم ملازمت کا پابند..... اپنے وظیفہ کا پابند ہے، ایسے مسلمان اپنے دین پر استقامت کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالی کی طرف سے یہی حکم ہے، ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ [سورہ

:ھود. آیت ،۱۱۲] اے نبی آپ استقامت اور پابندی سے رہیئے، آپ بھی اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں وہ بھی....... تو جتنے نبی پر ایمان لانے والے ہیں سب نبی کے ساتھ پابند ہوتے ہیں، اسلیئے اللہ کے نیک بندوں نے اپنی زندگی کو پابند بنایا...... ایک ایک حکم پابندی کے ساتھ....... اللہ کے راستہ میں نکلیں گے..... محنت کریں گے، تو پابندی ہونے کی استعداد پیدا ہوگی، استقامت کی طاقت پیدا ہوگی...... پھر پابند ہو جائیں گے، ہمارے ایک ساتھی اب تو بوڑھے ہو گئے، کہہ رہے تھے تیس برس ہو گئے کبھی مہینہ کے تین دن ناغہ نہیں ہوئے..... بارہ برس ہوئے کہ کبھی ہمارا گشت فوت نہیں ہوا...... پہلے تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ سعید ابن المسیبؒ فرماتے تھے کہ بیس برس ہو گئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اذان سے پہلے مسجد نہ پہونچا ہوں..... بیس برس ہو گئے کبھی ایسا نہیں کہ میں نے امام کے سوا کسی نمازی کی پیٹھ دیکھی ہو!!! اسی سے تاریخ بنتی ہے، اسی سے سوانح بنتی ہے، کیوں کہ عمل مسلسل ہورہا ہے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے سعد بن وقاصؓ قادسیہ کی مہم پر جا رہے تھے دس ہزار فوج انکے ساتھ تھی، فرمایا یہ پورا مجمع تیرے ساتھ ہے......دس ہزار آدمی ہیں....... انکو خیر کے کاموں کا عادی بنانا، تا کہ یہ خیر کے کاموں کے عادی بنیں، یہ نہیں کہ یہ آزاد ہو جاویں، ہم تو دعوت والے ہیں.....یہ والے ہیں.....اور وہ والے ہیں، اور ہو کچھ نہیں، یہ دھوکہ ہے۔

اللہ کے راستہ میں خیر کے کاموں کا عادی بنائیں:

اللہ کا راستہ اپنے آپ کو خیر کے کاموں کا عادی بنانے کیلیئے ہے، اللہ کے راستہ میں ہم محنت کے بھی عادی بنیں، اور عبادت کے بھی عادی بنیں، خدمت کے بھی عادی بنیں، کیوں کہ جب چار چار مہینہ لگیں اور اچھے اعمال کا عادی نہیں ہوا تو اور کیا ہوگا؟

باجماعت نماز پڑھنے کے عادی بنیں...... خدمت کے بھی عادی بنیں..... دوسروں کو راحت پہونچانے کے عادی بنیں.....یہی تو اسلامی اعمال ہیں، اسلامی اخلاق ہیں..... کہ تفریغی اوقات تفریح کے لئے نہیں ہیں، شہرت کے لئے نہیں ہیں، یہ تو عادی بننے کے لئے ہیں، امام غزالی فرماتے ہیں دین پہلے عادت میں آئے گا، پھر عبادت میں پلٹے گا، عادت میں نہیں ہے تو عبادت میں کہاں سے ہوگا ؟ حدیث میں ہے کہ تمہارے بچے سات سال کے ہو جاویں انہیں کہو بیٹا نماز پڑھو! بیٹا نماز پڑھو! تو سات سال کا نماز پڑھیگا تو نماز کا عادی ہوگیا، اب جوان ہوگا، بالغ ہوگا، اسکو شعور آئیگا، تو اب وہ نماز عبادت سے پڑھے گا، اللہ کا حکم مان کر نماز ادا کرے گا، لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے بچے نماز نہیں پڑھتے، مکّہ معظّمہ میں ہمارے ایک ساتھی مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اٹھارہ سال کا ہے نماز نہیں پڑھتا..... وہ یہی ہے کہ عادت میں بات آئی ہی نہیں ہے، پھر جوانی کی خواہش ہے، جوانی کا شوق، اور بھی آگے لیجاتا ہے..... "الشباب شعبة من الجنون" [مسند الشهاب/ حدیث نمبر:۱۱۶] تو اب اسکی نماز اور مشکل ہوگئی، اسکی نیند اور بھی گہری ہے، جوانی کی نیند گہری ہوتی ہے تو اسکو نماز مشکل ہوگئی۔

روزانہ کام کریں:

اسلیئے ہر کام کو روز کرو! تا کہ عادت ہو جائے، پھر عبادت بن جائیگی، مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے، کہ عمل میں لگے رہو! اخلاص بھی آوے گا.....اخلاص پہلے نہیں آتا، جب آدمی پابند ہو جاوے تو بعد میں اللہ اپنے رضا کیلیئے کرنے کی توفیق دینگے، یہ میرا بندہ ہے، روز کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا قرب اسکو عطا کرتے ہیں، جب اللہ سے قریب ہونے

کیلئے اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے عمل میں لگا رہے گا تو اخلاص بھی آتا رہے گا، اخلاص پہلے دن نہیں ہوتا، وہ تو عمل سے لگاؤ ہو جاتا ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے، جیسے کسی درخت کا پھل شروع میں چھوٹا ہوتا ہے، مزہ بھی صحیح نہیں ہوتا، رنگ بھی صحیح نہیں، سائز بھی صحیح نہیں، لیکن وہ لٹکا رہا ہے، ٹوٹا نہیں ہے..... تو پھر دھیرے دھیرے بڑھتا ہے، وہ بڑا ہو جاتا ہے، پھر اسکا رنگ بدلتا ہے.....خوش رنگ ہو جاتا ہے، پھر اندر سے بدلتا ہے، پھر خوشبو آتی ہے، سائز بھی اچھا ہو گیا، رنگ بھی اچھا ہو گیا، خوشبو آتی ہے، لوگ سونگھ کر لے تے ہیں، اور ملکوں میں جائیگا، یہ وہ کوالیٹی ہے جو باہر جائیگی، کیوں کہ اعلیٰ کوالٹی کی ہے... ہائی کوالٹی کی ہے،،،، اسے باہر بھیجتے ہیں۔

زندگی بنے گی تو دام لگیں گے:

یہی ہمارا کام ہے کہ اپنی زندگی کو اچھی بنائیں، تو اللہ ملکوں میں کام لینگے.....دنیا میں کا لینگے.....جیسے اچھی چیز باہر جاتی ہے تو تاجر خرید تے ہیں، بیچتے ہیں، اسکے سودے ہوتے ہیں، اسلئے اپنی زندگی بنانے کی فکر کرنی ہے، حضرت فرماتے تھے: لگے رہو پھر اخلاص آتا رہے گا، تقوی بھی آتا رہے گا.....اچھی صحبت......اچھی محنت اچھا ماحول..... یہ سب ضروری ہے، یہ مجموعہ ہے، صحابہ کو صحبت بھی ملی محبت بھی ملی، اور اپنی محنت بھی ہوئی، ماحول بھی ملا، دین کی دعوت ایک اسی طرح چلانی ہے، اچھوں کی صحبت، نیکوں کی صحبت، علماء کی صحبت، بزرگوں کی صحبت، ان سے فائدہ اٹھانا۔

دین میں جتنے کام ہیں سب دین ہی کے لئے ہیں:

اپنی دنیا الگ نہیں بنانی ہے، کہ ہم تبلیغ والے ہیں.....اور یہ مدرسہ والے.....یہ غلط بات ہے..... دنیا میں دین کے جتنے کام ہو رہے ہیں وہ سب دین کیلئے.....رفاہی

خدمت ہے..... وہ بھی دین کیلئے ، ہمارا ذہن وسیع ہو! اللہ کے یہاں سب کا درجہ ہے..... سب دین کیلئے کرنا ہے، اپنے بارے میں داعی بنو مدعی نہ بنو! مدعی! ہمارا یہ کام ہے..... ہمارا یہ کام ہے..... ہمارا یہ کام ہے..... یہ مدعی ہے، اس کے دل میں دوسروں کی جگہ نہیں ہے، "انزل الناس منازلھم" حدیث شریف میں ہے ہر آدمی کو اسکے درجہ پر رکھو! یہ انصاف کی بات ہے، کیوں وہ بھی ایک کام اللہ کے لئے کرر ہے ہیں، ہم بھی اللہ کے لئے کرر ہے ہیں، یہ سب حق ہیں، حق میں تعاون ہے، حق میں تناؤ نہیں ہوتا..... حق میں تناؤ نہیں ہوتا..... حق میں تعاون ہوتا ہے، تو معاون بنو! ادھر معاونت ہوگی، ادھر سے معاونت ہوگی، وہ آپکی معاونت کرینگے، ہم انکی معاونت کریں گے، یہ نہیں کہ ہم انکو اپنا مخالف قرار دیں گے؟؟؟ نہیں! مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہے، رفیق بن کے کام کرو! فریق بن کے کام مت کرو..... ایک بزرگ کہتے ہیں، امت کے کام کرنے والوں کو اپنا فریق مت سمجھو، انکا احسان مانو کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے وہ کر ہے ہیں، حضور ﷺ نے مہاجرین کو یہ سکھایا تھا، مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انصار کی بہت قربانیاں ہیں، آدمی انکے زیادہ شہید ہوئے ہیں، خدمت بھی وہ زیادہ کرتے ہیں، مال بھی وہ زیادہ کماتے ہیں، نصرت بھی وہ زیادہ کرتے ہیں، تو سارا ثواب تو انکو ملے گا، ہم کو کیا ملے گا؟ وہاں ثواب کی فکر تھی، انکو حسد نہیں تھا، تحقیر نہیں تھی آج تو ہمارے اندر نفسانیت ہے...... اس لئے تحقیر کرتے ہیں، حسد کرتے ہیں..... انکو تو آخرت کی فکر تھی کہ وہ آخرت میں اونچے ورجہ پر ہونگے، ہمارا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں بھی وہ چیزیں مل سکتی ہیں جو انہیں ملیں گی، کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ تم انکی قدر کرو .... کس کی؟ انصار کی! انصار کی قدر کرو! انکی تعریف کرو! اور انکے لئے دعاء مانگو! تو تمہیں بھی اللہ وہی دے گا جو انہیں دے گا۔

دین کے کام کرنے والوں کی معاونت کریں:

ہمکوتو یہ سکھایا ہے جولوگ دین کے دوسرے کام کررہے ہیں، علم کے.....ذکر کے.... رفاہی خدمتوں کے...... ہم انکے لئے دعا مانگیں، کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے یہ کررہے ہیں، میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ساؤتھ افریقہ گیا، ساؤتھ افریقہ ایک ایسا ملک ہے جیسے ایک پھل دار باغ ہوتا ہے، کیوں کہ وہاں لوگ مالدار بھی ہیں دیندار بھی ہیں، میں نے کہا تمہارا ملک اور تمہاری حالت اللہ نے ایک پھلدار درخت کی طرح بنا رکھی ہے...... ہمارے ساتھی ہیں برسوں سے انکا تعلق ہے، تمہیں کیسے رہنا چاہئے ! تمہارا پھلدار باغ ہے، تو لوگ آئیں گے، میں نے کہا کہ تمہارے پاس جماعت والے بھی آئیں گے، جمعیت والے بھی آئیں گے......خانقاہ والے بھی آئیں گے......مدرسہ والے بھی آئیں گے...... رفاہی خدمت کرنے والے بھی آئیں گے.....انکے بڑے بھی آئیں گے......انکے چھوٹے بھی ائیں گے...... تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ میں نے کہا آپ لوگ سب کی قدر کرو! انکے بزرگ آویں تو انکو اپنا بزرگ سمجھو! حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کریم و بزرگ آوے تو تم انکو بزرگ سمجھو، "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ" اس لائن کے بزرگ آویں تو تم انکی بزرگی کی قدر کرو!!! انکے عوام آویں تو انکی قدر کرو! انکے کاموں کو جو مدد دے سکتے وہ مدد دو! اور اپنا جو کام ہے تمہارے بزرگوں نے بتایا ہے اسکو اپنا مقصد بنا کر کرو! میں نے کہا اسکی مثال ایسی ہے جیسے ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں، ہمارا ایمان تمام نبیوں پر ہے، آمنت باللہ وملئکتہ و کتبہ ورسلہ" ہمارا ایمان تمام نبیوں پر ہے، لیکن اتباع اپنے نبی کی کرینگے۔

تمام دینی کام اپنے ہیں:

جتنے بھی دینی کام ہیں ان سب کی قدر کرو! اور اپنے کام کو مقصد بنا کر کرو، پھر ہر طرف سے تعاون ملے گا، ہر ایک آپ کے کام کی قدر کرے گا......جس طرح آپ انکی قدر کرتے ہیں، مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ دنیا مجازات ہے.....یعنی جیسا کرو گے، ویسا پاؤ گے، تو فرمایا کہ جو معاملہ تم دوسروں کے ساتھ کرو گے وہ معاملہ تمہارے ساتھ کیا جائیگا..... تو دین کے سارے کام ہیں، انکے بڑے ہیں، ہمارے بڑے ہیں، تو بڑوں کے نام پر لڑنا نہیں ہے، نبیوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

اسلامی اخوّت:

ہر نبی دوسرے نبی کو سچا بتاتا ہے، ایسے ہی ہر لائن کے جو بڑے ہیں، وہ ہمارے بھی بڑے ہیں، یہ اسلامی اخوت ہے، اسلامی بھائی چارہ ہے...... انکی قدر ومنزلت پہچاننا ہے، تو مولانا فرماتے تھے..... مجازات، یعنی جو معاملہ تم دوسروں کے ساتھ کرو گے وہ تمہارے ساتھ کیا جائیگا، اس لئے اپنے آپکو چوکنہ رکھو! کہ ہماری طرف سے سوائے خیر کے اور کوئی بات نہ ہو، سب کی قدر کرنی ہے، دین کا ایک سبحان اللہ بھی احد پہاڑ سے بڑا ہے، ایک آدمی سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا" [رواہ مسلم: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حدیث نمبر: ۶۸۵۷] کسی نیکی کے کام کو ہلکا مت سمجھو، انکا کام ہلکا ہے......ہمارا بھاری ہے.....کیونکہ عمل کو درجہ دینے کا حق اللہ کو ہے۔

دین میں کوئی غلو نہیں:

اعمال میں درجہ قائم کرنا یہ اللہ و رسول کا حق ہے، حد سے آگے نہیں نکلنا ہے، کوتاہی بھی نہیں کرنی ہے....... درمیانی چال چلنا ہے......حق والے کا حق پہچاننا ہے.......

درجہ والے کا درجہ پہچاننا ہے......تو ہماری دعوت کے حالات اچھے بنیں گے، کیونکہ دعوت کے محاسن کو سمجھنا ضروری ہے، دعوت کی کیا خوبیاں ہیں؟ ﴿ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ﴾ اللہ کہتا ہے: اس سے اچھی کس کی بات ہوگی۔

بولنے میں احتیاط کریں:

تقریر میں احتیاط ہونا چھاہیے، ان البلاء مؤقر بالمنطق عربی کی مثل مشہور ہے کہ جتنی بلاء ہے وہ آدمی کے بول سے لگی ہوئے ہے، بولنے میں بھی احتیاط کرنا چھاہئے، مولانا سعید خان صاحب مرحوم بڑی تاکید کرتے تھے میرے نام انکے خطوط آئے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا کہ اپنے بیانوں میں احتیاط کرو! کیونکہ بیانوں سے بڑی غلط فہمیاں پھیلتی ہیں..... بڑا ہیجان پیدا ہوتا ہے..... اعتراضات کھڑے ہوجاتے ہیں، ہمارا تو ترغیب کا کام ہے..... مسلمانوں کو ترغیب دینا ہے، تاکہ وہ آخرت بنانے کیلئے نکلے، اپنا دین اپنی آخرت بناویں اپنے دین کے مددگار بنیں۔

استقبال کے زمانے میں احتیاط واستقامت:

استقبال کے زمانے میں لوگ بہک جائیں گے، حضور ﷺ منع فرماتے کہ نئی نئی باتیں نہ پیدا کرو! جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا، تو ہم احتیاط کریں..... اپنے بولنے میں..... اپنے برتاؤ میں..... تاکہ دعوت اپنے محاسن اپنی خوبیوں کے ساتھ واضح ہو، دعوت دینے والے کی سب سے پہلی خوبی نیت کی خوبی ہے، وہ یہ ہے کہ اسکی نیت صحیح ہونی چاہئے، اللہ کی رضا اور آخرت بنانے کے سوا اسکے دل دماغ میں کوئی دوسری فکر نہ ہو! یہ تاکید کی ہے، کام کرنے والا صرف اللہ اور آخرت کو سامنے رکھے..... جس کے سامنے اللہ آخرت ہوگی وہ ہر حال میں کامیاب ہوگا، اعزاز

ملے نہ ملے..... خصوصیت ملے نہ ملے.... کوئی پوچھے نہ پوچھے مجھے آخرت بنانی ہے۔

صحابہ کے ملکوں میں جانے کے عزائم:

صحابہ دنیا میں گئے تو دنیا والوں سے یوں کہا کہ تمہارے ملک میں ہم تمہاری کرنسی کی وجہ سے یا تمہاری دنیا کی وجہ سے نہیں آئے ہیں، ہمارے عزائم تمہارے پاس آنے میں آخرت کے ہیں "انما ھمنا الآخرة ولیس ھمنا الدنیا" ہم تمہاے پاس آخرت کے عزائم لیکر آئے ہیں..... تمہاری زندگی بھی بن جاوے، ہماری زندگی بھی بن جاوے، اور ہماری تمہاری آخرت بن جاوے، ہمیں تمہاری دنیا سے کوئی مطلب نہیں ہے..... تمہارے مالوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے..... تمہاری عورتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے...... تمہاری تعریف سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے..... "انما ھمناالآخرة" جو آخرت کو سامنے رکھ کر چلے گا وہ فتنہ سے بچے گا، عبداللہ ابن عمرؓ جب خلافت راشدہ ختم ہوگئی تو کھڑے ہوگئے، اور بڑا بننے کے لئے لوگوں کے اندر فتنے پنپنے لگے، ایک آدمی کہ رہا تھا، اس کام کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے؟؟؟ یعنی حکومت کا؟ یہ کہ رہا تھا.... اپنے تیز اونٹ پر سوار ہوکر آرہا ہے، اس وقت تیز اونٹ ایسے ہوتے تھے جیسے آج کے زمانے کی بہترین کاریں ہوتی ہیں، ایسے ہی اس زمانہ کے تیز اونٹ ہوتے تھے، اسکو نجیب کہتے تھے.... تو اس نے کہا کہ اس عہدہ کے حقدار ہم ہیں، ہم سے زیادہ حقدار کون ہے؟ کیوں کہ استقبال کا زمانہ ہے، تو ہر ایک کو اپنی عزت..... اپنی بڑائی کا دھیان آتا ہے..... ابن عمر کم سن نہیں رہے تھے، یہ سات برس کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے، اور حضور ﷺ کی ہر سنت کے پورے پابند تھے، انہوں نے فرمایا کہ میرے دل میں آیا کہ کہوں کہ اسکے حقدار تو وہ ہیں جس نے تجھکو تیرے اوپر محنت کرکے اسلام میں داخل کیا، وہ اسکے زیادہ

حقدار ہیں، لیکن میں نے یہ بات اس لئے نہیں کہی کہ مجھکو میری آخرت یاد آ گئی، کہ بولنے دو! میں نے تو جو کچھ کیا ہے آخرت کے لئے کیا ہے،''ذکرت الجنۃ و نعیمھا فترکتھا'' بخاری شریف کی روایت ہے، کہ مجھے جنت یاد آ گئی آخرت یاد آ گئی کہ چھوڑو اس چکر مین کون پڑے.....اسکو بولنے دو۔

فتنے سے حفاظت:

جو اللہ اور آخرت کو سامنے رکھے گا وہ کبھی فتنہ میں نہیں پڑے گا، اسلئے دعوت والے کی ....دین والے کی.....پہلی خوبی یہ ہے کہ اپنے ارادے سے آخرت کو چاہے، میری آخرت تو بحر حال بنی ہی چاہئے، اور اسکے لئے اپنی نیت کو اچھی کرلو!!! ہر وقت نیتوں پر دھیان ہو، کہ کیوں کرر ہے ہیں؟ کسی کو راضی کرنے کیلیئے....کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں کرنا ہے، حدیث شریف میں ہے پوچھا کہ ایک آدمی اللہ کے راستہ میں جاتا ہے اپنی شہرت چاہتا ہے، یا کوئی مال ومتاع کی غرض ہے، اور اللہ کا راستہ بھی ہے تو اسے کیا ملے گا؟ فرمایا کچھ نہیں ملے گا....لوگ پریشان ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تو اسی عمل کو قبول کریگا جو صرف اللہ کے لئے کیا گیا ہو، ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے کہ اللہ کے لئے کرنا ہے، حسن نیت سے کام انجام دینا ہے.....

حسن نیت:

حسن نیت: دعوت کی....اور دین کے ہر کام کی پہلی خوبی ہے، اور اچھی نیت کے بعد اچھا عمل، اور نیک اعمال زیادہ کرو! جیسے میں نے نبیوں کے قصّے سنائے، کہ نیک عملوں میں آگے بڑھو! حسن عمل حسن نیت، اپنے عملوں کو زیادہ کرو! صرف ذمّہ داری کو پورا کر کے آزاد نہیں ہو جانا ہے، بلکہ جس کام کو اچھا سمجھا جس دین کو اچھا سمجھا اس میں اپنے

آپ کو آگے بڑھا دیں، فرائض بھی ادا کریں.... نوافل بھی ادا کریں..... خدمت بھی کریں.... اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بھی کریں، اچھے عملوں کا ذخیرہ بھی جمع کریں ..... حضور ﷺ کے زمانہ میں غریب آدمی مزدوری کر کے صدقہ دیتا تھا، حالانکہ غریب تو صدقہ لینے کا حقدار ہے، کہ ٹھیک ہے میں لینے کا حقدار ہوں، مجھے اپنی آخرت بھی بنانی ہے، اس لئے وہ مزدوری کر کے صدقہ دیتا تھا، وہ لوگ اپنے عملوں کو بڑھاتے تھے۔

دعوت کے محاسن:

یہ مثالیں آپ حکایات صحابہ میں پڑھتے ہو، تو حسن عمل..... حسن نیت.... حسن اخلاق.... یہ دعوت کے اوزار ہیں، کاریگر کے پاس اوزار ہوتے ہیں، تو اوزار نہ ہوں تو کیسے کام کریگا؟ ڈاکٹر کے پاس ڈاکٹری کے اوزار ہیں تو ڈاکٹری کے کام کریگا، نہیں تو کو کیسے کریگا؟ دعوت دینے والوں کے اوزار انکا اخلاص ہے، جتنا انکا اخلاص اچھا ہوگا اتنا ہی وہ اپنی دعوت کو پھیلائیں گے ..... اور دلوں کو جیت لیں گے، حضور ﷺ اچھے سے اچھے اخلاق سکھاتے تھے، ایک عورت عائشہؓ پاس آئی، بہت غریب تھی، کچھ ہدیہ لائی ام المومنین کے لئے ..... عائشہؓ کو اسکی غریبی پر رحم آیا، ام المومنین عائشہؓ بہت سخی تھیں، انکی ایک بہن اسماءؓ تھیں وہ بھی بہت سخی تھیں ..... اپنا ہدیہ اپنے پاس رکھو اپنی ضروریات پوری کرو.... نہیں لیا...... حضور ﷺ تشریف لائے تو ہر بات حضور ﷺ کے سامنے رکھتی تھیں اللہ انہیں جزائے خیر دے ان سے بہت باتیں ہمکو ملی ہیں، یا رسول اللہ ﷺ اسکی غربت پر رحم آیا.... اسکی تنگی فقیری پر رحم آیا..... میں نے اسکا ہدیہ نہیں لیا، واپس کر دیا رحم کھا کر، حضور ﷺ نے فرمایا رحم کھانے کا طریقہ دوسرا بھی تھا..... وہ کیا؟ اسکا معمولی ہدیہ لے لیتیں اور اپنے پاس سے بڑا ہدیہ دے دیتیں ..... یہ آپکو کرنا چاہئے تھا، تو اسکا

دل بھی رہ جاتا، کہ میں ام المؤمنین کیلئے ہدیہ لائیں وہ بھی قبول ہو گیا، اور انکی طرف سے مجھے یہ برکت بھی ملی، یہ حسن اخلاق کہلاتے ہیں۔

حسن اخلاق دلوں کو جیت لیتے ہیں:

حدیثوں میں ہے کہ سب سے زیادہ وزن دار چیز جو قیامت میں میزان عمل میں تلے گی وہ آدمی کے اخلاق ہیں..... اخلاق خراب ہوتے ہیں تو عبادتیں چلی جاتی ہیں، اور دعوت کی خوبیوں میں سے اچھے اخلاق ہیں.... لوگوں میں جہالت ہوتی ہے...... وہ تو جہالت سے پیش آئیں گے..... مگر جہالت کے جواب میں نبی اخلاق سے پیش آتے تھے، ہر نبی اخلاق کے ساتھ بھیجا گیا، حضور ﷺ کو بہت بڑی جاہلیت کے زمانے میں بھیجا گیا، سوائے شرک کے لوگ کچھ نہیں جانتے تھے، آپ ﷺ کو اخلاق کا سب سے اونچا معیار دیا تھا، ﴿إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ آپ ﷺ اخلاق کے بہت اونچے معیار پر ہیں، اسی سے جہالت کٹی ہے..... جہالت کے جواب میں اگر حضور ﷺ جہالت کرتے تو پھر لڑائی ہوتی، آپ نے یہ نہیں کیا..... بلکہ جہالت کے جواب میں اخلاق سے پیش آئے..... مسجد میں ایک آدمی نے پیشاب کر دیا، تو لوگوں نے اسے روکا.... آپ ﷺ نے کہا نہیں! مت روکو! اسکا پیشاب رک جائیگا کر لینے دو! اسکے بعد فرمایا کہ تم لوگ آسانی کرنے والے ہو..... پانی کا ڈول لے آؤ اور پانی بہاؤ، جگہ پاک ہو جاوے گی، انکو یہ بتایا، اور اسکو یہ سمجھایا کہ بھائی یہ تو مسجد ہے، اس میں تو نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں تو اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے...... اس میں تو اللہ کو یاد کیا جاتا ہے..... کیونکہ وہ جاہل ہے.... حسن اخلاق دعوت کے محاسن میں سے ہے، دعوت کی خوبیوں میں سے ہے۔

لوگوں کے سامنے اخلاق سے پیش آئیں:

اللہ کے راستہ میں اخلاق کی مشق ہوتی ہے، مختلف لوگوں سے ملنا ہوتا ہے.... انکے مختلف مزاج ہوتے ہیں..... سب کو برداشت کر کے سب کو لیکر چلو..... سب کی جھیلوں، سب کی خدمت کرو.... پھر دیکھو اخلاق پیدا ہونگے، مولانا سعید خاں صاحب کہتے تھے تبلیغ میں اخلاق کی مشق ہے، خالی پھرنا نہیں ہے، کہ دوسرے زیادتی کریں گے، ہم صبر کریں گے..... دوسرے زیادتی کریں گے ہم احسان کریں گے..... ہم انکی خدمت کریں گے..... پھر وہ دوست ہو جائیں گے، یہی تعلیم دی ہے، تو حضور ﷺ کو سب سے اونچے معیار کے اخلاق دیئے گیئے تھے، جیسے آپ ﷺ کا دین سب سے اونچا، ویسے ہی آپ کے اخلاق سب سے اونچے، اس لئے جہالت کٹ گئی اور لوگ بھائی بھائی ہو گئے۔

اچھے انداز سے دعوت پیش کریں:

اچھے اخلاق، اچھے اسلوب، اچھے ڈھنگ سے اپنی بات پیش کرو! حسن اسلوب..... ہم دعوت والوں کو سمجھنے کی بات ہے، یہ رد کرنے کی بات نہیں.... تحقیر کی بات نہیں.... تنقید کی بات نہیں ہے..... اچھے ڈھنگ سے دعوت پیش کرو! آپ روزانہ فضائل اعمال میں پڑھتے ہیں ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آتا ہے، کہتا ہے: کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے، جبکہ زنا ایسا عمل ہے کہ کسی آسمانی شریعت میں اسکی اجازت نہیں ہے، شرک اور زنا دونوں حرام ہیں..... اور وہ زنا کی اجازت مانگ رہا ہے، تو آپ ﷺ نے اس کو سمجھایا ہے، تمہاری بیٹی سے کوئی زنا کرے؟ اس کو پسند کرو گے؟ کہا نہیں!

کوئی تمہاری ماں سے؟ تمہاری بہن خالہ کے سے؟ کہا نہیں! تو بھائی جس طرح تم اس کام کو ناپسند کرتے ہو اپنی بیٹی بیوی ماں کے ساتھ ایسے ہی دوسرے لوگ بھی تو اسے ناپسند کرتے ہیں، یہ حسن اسلوب کہلاتا ہے، یہ سنتِ پیغمبر ہے، اسکو سیکھنا پڑے گا۔

دعوت میں تواضع:

اس کام میں اپنے آپ کو بچھانا پڑیگا..... حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اسکے لئے دعا بھی مانگی، کہ اللہ زنا کی محبت اسکے دل سے نکال دے، تو دعوت بھی دی.... دعا بھی دی، اسکو اپنا بنالیا، ورنہ تو وہ زنا کی طرف جارہا تھا، اسی کو حسن اسلوب کہتے ہیں، یہی حسن اسلوب دعوت کے محاسن میں سے ہے، کہ بات کو مثبت انداز سے پیش کرو.. .... ہم لوگ ۸۰ھ میں امریکا گئے، ایک دن وہاں کے ساتھی کہنے لگے کہ آپ نے یہاں دنیا کی برائی تو بیان کی، دنیا مچھر کے پر کے برابر ہے، وغیرہ ؟؟؟؟ میں نے کہا ہاں! ہم نہیں کرتے ہم کو یہ اچھا نہیں لگا کہ ہم تو یہاں دنیا کیلئے آئے ہیں، یہاں کون سا خانۂ کعبہ ہے کہ عبادت کیلئے آویں، یہ تو امریکا ہے، ہم تو اپنی دنیا کیلئے آئے ہیں، کوئی ہمارے سامنے دنیا کی برائی کرے تو ہمیں اچھا نہیں لگتا، یعنی یہ بات ہم کو ہضم نہیں ہوتی ہے، ہم کہتے تھے..... دیکھو تم اپنے بچوں کو تعلیم دیتے ہو، ڈگری انکو دلاتے ہو، تو جس طرح انکو ڈگریاں دلارہے ہو ان کو ایمان بھی سکھاؤ، تاکہ تمہارے بچے ایماندار بھی رہیں....اور تمہارے تابعدار بھی رہیں.... جہاں ڈگری ہو تو یہ بھی ہو.....نہیں تو اسکو برداشت نہیں ہوگا۔

قرآن کریم کا حکیمانہ اسلوب:

قرآن کریم اس طرح سمجھاتا ہے کہ دیکھو میں زمین پر پانی برساتا ہوں.....تو مردار زمین زندہ ہوجاتی، زمین میں سبزہ آتا ہے، جیسے میں مردہ زمین کو پانی برسا کر زندہ کرتا ہوں، ایسے زمین کے مردوں کو بھی میں اپنی قدرت سے زندہ کرونگا، ﴿کذٰلک الخروج﴾ یہ مثال دی، کہ جیسے مردہ زمین سبزہ اگادیتی ہے ایسے مردے بھی نکلیں گے.... یہ مثبت انداز کہلاتا ہے، قرآن پڑھو! اور دیکھو کہ کیسے اسلوب میں سمجھاتا ہے؟ تو اپنی بات کو حکمت سے سمجھاؤ..... نرمی سے سمجھاؤ..... ہمدردی سے سمجھاؤ..... مولانا سعید خان صاحبؒ ہمکو سمجھاتے تھے کہ یہ دعوت کے محاسن ہیں، دعوت کی خوبیاں ہیں، مسلمانوں سے اچھا گمان رکھو، تمام مسلمانوں سے عموماً، اور اپنے ساتھیوں سے خصوصاً اچھا گمان رکھو، اسلامی معاشرت کا یہ حکم ہے......آپس میں تمہارے گمان اچھے ہونے چاہئیں، جب اچھے گمان ہوں گے تو اچھائیاں نظر آئیں گی، بدگمانیاں ہوں گی تو برائیاں نظر آئیں گی..... شیطان اپنی تو خوبیاں دکھاتا ہے، اور دوسروں کی خرابیاں دکھاتا ہے، اپنے بارے میں اللہ سے کہنے لگا ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ میں آدم سے اچھا ہوں، حالانکہ آدمؑ کو اللہ نے پسند کر کے چن کر کے بنایا ہے، چھانٹا ہوا ہے، آدمؑ میں خوبی اسکو نظر نہیں آئی، آدمی کا نفس اور شیطان اپنی خوبیاں بتاتا ہے، اور دوسروں کی خرابیاں...اسکے سامنے وہ بدگمانی لاتا ہے، علماء نے کہا ہے سب سے زیادہ بدگمانیاں شیطان دینداروں میں پھیلاتا ہے، اسنے یہ کردیا ہوگا.....اسنے یہ کردیا ہوگا......حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہے صرف بدگمانی ہے....

خوبیوں کا لین دین:

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے ہماری تحریک یہ تو خوبیوں کا لین دین ہے،

مسلمانوں کی خوبیاں دیکھو!!! جماعت اسلئے ہوتی ہے...... جماعت میں آٹھ دس آدمی ہوتے ہیں، ہر آدمی میں خوبی ہوتی ہے، اور ہر ایک کے پاس خوبیاں ہیں، ان سے مستفید ہونا ہے، خوبیاں جمع کرنا ہے.... ایک دوسرے کی خوبیاں دیکھ کر انکو اپنانا ہے، یہ ذکر کرنے والا ہے..... یہ خدمت کرنے والا ہے.... یہ عبادت کرنے والا ہے.... یہ بھاگ دوڑ کرنے والا ہے..... یہ تشکیل کرنے والا ہے .... ہر ایک کی خوبی الگ الگ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے پانچ انگلیاں ایک سی نہیں بنائیں ہر ایک میں خیر ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں "النَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ" [مسلم، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث نمبر:۶۸۷۷] **لوگ** اپنی جگہ ایسے قیمتی ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، ایک ایک آدمی سونے چاندی کی کان کی طرح ہے، سونا بھرا ہوا ہے، اس میں اگر اچھا گمان ہوگا تو خوبیاں نظر آئیں گی، عقیدت ہوگی.... محبت ہوگی، اور شیطان کی طرح سے اگر بدگمانی پیدا ہوگی تو پھر کٹ کٹاؤ ہوگا، اور تعاون ختم ہو جائے گا۔

بدگمانی سے پرہیز کریں:

بدگمانی کی کوئی دلیل نہیں ہوتی..... نظر بدل جاتی ہے تو انسان کو دوسرے کی خرابیاں ہی نظر آتی ہیں، پہلے خرابیاں بدگمانی کی وجہ سے نظر آئیں گی.... پھر وہ زبان پر آجائیں گی، جب زبان پر آئیگی تو وہی بات غیبت بنے گی، بدگمان کی بات ہی غیبت بنتی ہے، مولانا یوسفؒ فرماتے تھے غیبت کا گناہ ایسا ہے، اسکی نقد سزا ملتی ہے، لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے، انہوں نے یہ کہا..... انہوں نے یہ کہا......اور پوچھو تو اس بیچارے کو کوئی خبر بھی نہیں.....اس لئے اللہ نے اس سے منع کیا ہے، فرمایا: بدگمانی

سے بچو یہ بری بات ہے، اسلامی معاشرت میں بدگمانی غلط ہے، بلکہ عیب نظر آوے تو چھپادو..... معاشرے میں ماحول میں اسکو ظاہر مت کرو! چرچہ مت کرو! جو بھائی کے عیب چھپائے گا اللہ اس کے عیب چھپائے گا..... جو بھائی کے عیب کھولے گا اللہ اس کے عیب کھولے گا۔

صحابہ عیب چھپاتے تھے:

صحابہ عیبوں کو چھپانے پر بہت زور دیتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ معاشرہ میں کوئی باطل چیز پیش آوے تو اسکو چھوڑ دو!!! اسکو زبان پر نہ لاؤ!!! تاکہ وہ دفن ہو جاوے..... چرچہ کرو گے تو وہ زندہ ہو جائیگی..... جونہیں جانتے ہیں وہ بھی جان جائیں گے،اور غیبت سے معاشرہ میں توڑ پیدا جائیگی،اور جب توڑ پیدا ہوگی تو ساری کوششیں بیکار ہو جائیں گی، اس لئے حکم ہے کہ صبر کرو، کوئی بات نظر بھی آوے تو صبر کرو...... منھ بند کرو، راویوں میں اختلاف صحیح ہے، رایوں میں تو اختلاف ہوسکتا ہے، اسکو اختلاف کہتے ہیں، کتنے ائمہ مذاہب ہیں....امام شافعیؒ کی الگ رائے ہے، امام مالکؒ کی الگ رائے ہے، امام ابوحنیفہؒ کی الگ رائے ہے، کوئی اپنی رائے پر اصرار نہیں کررہا...... ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں......لیکن اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں......ایسی ہی رائے میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اپنی رائے پر اڑ جانا اور مخالفت کرنا اسکی اجازت نہیں، تو اختلاف الگ ہے......اور مخالفت الگ ہے، اسلئے کہا اچھا گمان رکھو! خوبیوں کالین دین کرو! اور اسکی مشق کرو! ان میں کیا خوبی ہے؟ ان میں کیا خوبی ہے؟ اور اس خوبی کو اختیار کرو!۔

خوبیوں کا تذکرہ کریں:

حضور ﷺ ساتھیوں کے مناقب اور فضائل بتاتے تھے، حضرت ابو بکرؓ میں یہ فضیلت ہے.... حضرت عمرؓ میں یہ فضیلت ہے.... ابو ذر میں یہ فضیلت ہے..... خوبیاں بتاتے تھے، اسکو مناقب صحابہ کہتے ہیں، اویس قرنی تابعی ہیں، ابھی آئے بھی نہیں ہیں، یمن میں ہیں، مگر انکا درجہ بتایا، کہ جب وہ آئیں گے تو ان سے دعائے مغفرت کرانا، وہ صحابی نہیں ہیں، تو حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں انکو تلاش کرتے تھے، کہ اویسؒ آئے کہ نہیں آئے؟ تاکہ میں ان سے مغفرت کی دعا کراؤں، کہاں حضرت عمرؓ!!! کہاں اویسؒ!!! کیوں ان میں یہ خوبی ہے، نبی ﷺ نے بتایا ہے..... کہ خوبی تلاش کرو، حیاۃ الحیوان ایک کتاب ہے، علماء اسکو جانتے ہیں، اس میں حیوانات کی تفصیل لکھی ہے، اور بھی بہت سی باتیں اس میں ہیں، اسلامی کتبخانہ کی وہ ایک عجیب کتاب مانی جاتی ہے، دمیری کی ہے..... مختلف حیوانات کی مختلف چیزیں لکھی ہیں، اسمیں قصہ لکھا ہے، ایک بزگ کہتے تھے کہ مجھ کو ہر چیز میں خوبی نظر آتی ہے، جب کوئی بڑا آدمی ایسا کہتا تو سوال کرنے والے سوال کرتے کہ آپکو ہر چیز میں خوبی نظر آتی ہے؟ کہاہاں! کہ خنزیر میں کیا خوبی ہے، کیوں کہ اسلامی شریعت میں وہ نجس العین ہے...... پورا ناپاک ہے...... اسکی کوئی گنجائش ہی نہیں، آپ نے اس میں کیا خوبی دیکھی؟ کہا اسکی ایک خصلت ہے، "بکوره فی حوائجه" [حیاۃ الحیوان الکبری، باب الغین: ص:۲۴۵] یہ اس میں لکھا ہے.... کہ صبح جلدی اٹھ جاتا ہے اور اپنی روزی تلاش کرتا ہے، کتے کو آپ دیکھو گے کہ رات بھر بھونکتا رہے گا آپ صبح نماز پڑھنے جاؤ گے تو

کہیں پڑا ہوا ہوگا.....اور یہ صبح جلدی اٹھ جاتا ہے اور اپنی روزی تلاش کرتا ہے۔

خوبی تلاش کرنے والے کو خوبی ملتی ہے:

تو خوبی تلاش کرنے والے کو ہر چیز میں خوبی ملتی..... اور جس کی نظر خوبیوں سے بند ہو جاوے تو ایسے لوگ نبی کو بھی پاگل کہتے تھے، نعوذ باللہ ابو جہل کہتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے، اسکو جھوٹ نظر آیا....... اسے پاگل پن نظر آیا، کیوں کہ انکی اپنی نگاہ غلط ہے...... یہ اندھے ہیں، روشنی نہیں، جب آدمی کا دل اندھا ہو جاتا ہے، خرابیاں نظر آتی ہیں، تبلیغ میں اسکی مشق ہے، کہ مسلمانوں کی خوبیاں دیکھو.....شہر والوں کی خوبیاں الگ ہیں.....دیہات والوں کی خوبیاں الگ ہیں.....تاجروں کی خوبی الگ ہے...... ملازمت کرنے والوں کی خوبی الگ ہے.....مولانا الیاسؒ میواتیوں سے کہتے کہ تمہارے اندر دو خوبیاں ہیں، زندگیوں میں سادگی ہے، اور جفاکشی ہے!!! یہ دونوں خوبی دین میں بڑی مددگار ہیں...... سادگی اور جفاکشی.....تو انکی خوبیاں دیکھتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں جہالت زیادہ تھی، مگر مولانا کو انکی خوبیاں نظر آتی تھیں، اسلئے ان کی خوبیوں کی وجہ سے ان سے کام لیا، اور انہیں کام پر کھڑا کر دیا، یہ دعوت کے محاسن ہیں، حسن نیت.....حسن عمل.....حسن اخلاق.....حسن ظن.....حسن اسلوب.....ان سے دعوت خوبیوں والی بنے گی۔

خوبیوں سے ہمدردی پیدا ہوگی:

جس طرح شوروم میں لوگ دیکھنے آتے ہیں، اور شوروم والا اپنے مال کو حسن خوبی کے ساتھ پیش کرتا ہے، ایسے ہی دعوت کی خوبیاں ہوں گی.....تو لوگ دعوت کو دیکھنے آئیں گے، دعوت کیا ہے، داعیوں کے اخلاق دیکھیں گے....انکے اسلوب دیکھیں

گے....انکی کارگزاری دیکھیں گے.....تو جڑیں گے، اور دشمن دوست ہو جائیگا، حاسد ہمدرد ہو جائیگا، تو خوبیوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے.

اپنے کو اور ماحول کو دین دار بنانا ہے:

میرے بھائیو! اللہ نے ہمکو بڑا کام دیا ہے.....زندگی کی ذمہ داریاں ہیں، اس کام میں اپنے آپکو دیندار بنانا، اپنے ماحول کو دیندار بنانا ہے..... اور دنیا میں دین آوے اسکی فکر کرنا ہے.....اسکی ترقی کے اسباب پر غور کرنا ہے.....اپنے اوقات کی پابندی ترقی کا ذریعہ ہے، وقت کے پابند ....عمل کے پابند....اصول کے پابند ... بے اصولی کوئی کرے مگر اصول کے نام پر جھگڑا کوئی نہ کرے.....اصول کی تحقیق کرے.....اور عمل کرے، یہ صحابہ کا طریقہ تھا، جھگڑتے نہیں تھے، رایوں میں اختلاف ہوا تو مدینہ جاکے پوچھتے تھے، ان میں جوتے نہیں چلتے تھے، وہاں جا کر پوچھتے تھے، یہی طریقہ ہے، اختلاف ہو تو اپنے ذمہ داروں سے جاکر رجوع کرو، ان سے پوچھو! صحیح کیا ہے؟.

اصول ترقی کا ذریعہ ہے:

اصول کی تحقیق تو ضروری ہے.....اصول میں جھگڑنا یہ نقصان دہ ہوتا ہے، اصول جھگڑوں کیلئے نہیں ہوتے، جب جھگڑے پیدا ہوں گے تو گمراہی آئے گی، ہدایت نہیں آئے گی "ما أضل الله قوما الا اوتوا الجدل" اس قوم کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردیتا ہے جس قوم میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، اسلئے ہمارے اس کام کو جھگڑوں سے بچانا، صبر کرنا، کوئی بات نہیں مانی جارہی ہے صبر کرنا.....بعض مرتبہ کوئی چیز صحیح نہیں ہوتی تو مقابلہ نہیں کرنا ہے، صبر کرنا ہے، اور اپنا کام کرتے رہنا ہے، مددگار بن کر کام کرنا ہے،

اخلاص کے ساتھ ..... یہ طریقہ ہے.... یہ حکم دیا ہے.....صبر کرو....اصول ترقی کا ذریعہ ہیں، اطاعت ترقی کا ذریعہ ہے، اطاعت کے ساتھ رہیں، بات ماننی ہے چاہے کچھ بھی ہوجاوے، عمل کرنا ہے چاہے کچھ بھی ہوجاوے، کیوں کہ ہم اطاعت کے لئے پیدا ہوئے ہین، نبیوں کا آنا اطاعت کے لئے ہوتا تھا، ﴿وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ﴾ [النساء/٦٤] ہم نے جب کبھی رسول بھیجا ہے تو اسلئے بھیجا تاکہ رسول کے کہنے سے لوگوں میں اللہ کی اطاعت آوے، اطاعت زندگیوں میں قائم ہوگئی تو زندگی دین بن گئی۔

اطاعت سیکھیں:

جو اطاعت سیکھ لے گا وہ ہر ایک کی اطاعت کریگا..... ماں باپ کی اطاعت کریگا، استاذ کی اطاعت کریگا....کوئی بڑا ہے تو اسکی اطاعت کریگا، کیوں کہ وہ ایسا ہوگیا جیسے ایک اونٹ.....اسکے ناک میں نکیل پڑی ہوئی ہے، اب اسکو جہاں لے جاؤ وہ جائیگا، مومن ایسا ہوتا ہے جیسے ناک میں نکیل پڑا ہوا اونٹ، حیث قید انقاد اگر اسکو چھوٹا بچہ بھی کھینچ کرلے جائیگا وہ پیچھے پیچھے چلا جائے گا اسی طرح مؤمن ہوتا ہے. مثل الجمل الختوم حیثیت قید انقاد ایک ناک میں نکیل پڑا اونٹ جہاں اسکو اسکا مالک لے جاوے جائیگا وہ انحرف نہیں کرے گا.....نہ ادھر جاتا ہے....نہ ادھر جاتا ہے، ایمان کی صفت ہے اطاعت، ایمان کا مزاج ہے اطاعت، ایمان سے ایمان آوے گا...... تو اطاعت آویگی یہ اسکا مزاج ہے۔

شیطانی مزاج میں نافرمانی ہے:

شیطانی مزاج میں نا فرمانی ہے، ﴿أَبىٰ واسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ﴾ [البقرة/ ۳۴] انکار کر گیا.....اور کافر ہو گیا، شیطانی مزاج میں یہی چھپا ہوا ہے، اور ایمانی مزاج میں اطاعت ہے، اس لئے اطاعت ترقی کا ذریعہ ہے.......اصول ترقی کا ذریعہ ہیں......استقامت ترقی کا ذریعہ ہے.....مشورے کی پابندی اطاعت کا ذریعہ ہے......تربیت کا ذریعہ ہے.....یہ سب ہماری ترقی کے اسباب ہیں، اسکو اپنانا ہے، اور لوگوں میں اسکی ترغیب دینی ہے، تو دینی رنگ آئیگا، دینی رنگ، ایمان، اطاعت وانقیاد، وتابعداری، ہمدردی، یہ دینی رنگ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقبول ہوتے ہیں...... انکی کوششیں مقبول ہوتی ہیں.....انکی دعائیں مقبول ہوتی ہیں.....انکی دعوت پر بھی ھدایت آویگی، یہ کسی کے لئے دعا مانگے گے تو دعا پر بھی ھدایت آوے گی، حضور ﷺ دعا بھی کرتے تھے، دعوت بھی دیتے تھے، اے اللہ عمرؓ کو ھدایت دے، ابوھریرہ کو ھدایت دے، ھدایت مل گئی.....قبیلۂ دوس کو ھدایت دے، تو قبیلۂ دوس کو ہدایت مل گئی، یہ مثالیں ہیں....کہ دعا میں ہمدردی کی نشانی ہے، جسکے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے اس کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، لوگ اپنے بیٹوں کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

کام کو مقصد بنا کر کرنا ہے:

.....اور ہر حال میں کرنا ہے.....اپنی طاقت کے مطابق....درمیانی چال چلنی ہے، حدیثوں میں ہے....درمیانی چال چلو، جوش میں آگے نہ بڑھ جاؤ! اور سستی میں پیچھے بھی نہ رہ جاؤ! بیچ کی چال چلو، القصد القصد درمیانہ چال چلا کرو، تو دور تک جاؤ گے، ساری امت میں کام آوے، اس لئے امت سے ہمدردی ضروری ہے، امت سے ہمدردی ہوگی تو امت کیلئے بار بار اللہ کے راستہ میں پھرنا ہوگا، بار بار وقت لگانا ہوگا، کہ ہم

اسکے عادی بھی بن جاویں اور ہم مخلص بھی بنیں، اخلاص کے ساتھ ....امت کے لئے، اسکی فکر کرنا ہے .....اس لئے آپ حضرت اسکے ارادے کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر قائم رکھے۔

خوبی تلاش کرنے والے کو ہر چیز میں خوبی ملتی ہے
اور جس کی نظر خوبیوں سے بند ہو جاتی ہے
تو اس طرح کے لوگ نبی کو بھی پاگل کہتے تھے،

جب آدمی کا دل اندھا ہو جاتا ہے......
خرابیاں نظر آتی ہیں

حضرت مولانا ابراہیم

بیان نمبر (۸)

﴿علماء میں بیان۔احمد آباد۔۱۳/۰۸/۱۳﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادى له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، و نشهد أن سيدنا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و صحبه و بارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً،أما بعد !

فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.بسم الله الرحمان الرحيم.

﴿إنَ الذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّه ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتنزَّلُ عَلَيْهِمُ المَلائِكَةُ أنْ لَا تَخَافُوْا ولاَ تَحْزَنُوْا وَأبْشِرُوْا بِالجَنَّةِ التِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ أوْلِيَائُكُمْ فِي الحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِي أنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلاً مِنْ غَفُوْرٍ رَحِيْمٍ، ومَنْ أحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إلَى اللّه وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إنَّنِي مِنَ المُسْلِمِيْنَ﴾. صدق الله العظيم.

دنیا ذمہ داری پوری کرنے کی جگہ ہے۔

میرے برزگو پیارے بھائیو!

دنیا کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ذمہ داریوں کی زندگی قرار دیا ہے، یہ ذمہ داررى پوری کرنے کی جگہ ہے..... جو ذمہ داری پوری کرے گا وہ مدد بھی پائے گا، اور کامیاب بھی ہوگا، اور جو ذمہ داری نہیں پوری کرے گا تو نہ وہ مدد پائیگا اور نہ کامیاب ہوگا...... ذمہ داری پوری کرنے کے لئے امانت داری شرط ہے..... اور ذمہ داریوں کا علم ضروری ہے، ذمہ داریوں کے علم سے ذمہ داری پوری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان سے بھی نوازا ہے...... اور علم سے بھی نوازا ہے...... اور یہی دونوں چیزیں پورا دین ہیں، امام غزالی فرماتے ہیں، دین کیا ہے؟ فرمایا علم اور ایمان۔

ایمان اور علم: بلندی کے مؤثر اسباب ہیں!

حضور ﷺ کے آنے سے پہلے کفر تھا اور جہالت تھی..... کفر ختم ہوا اور ایمان آیا.....اور جہالت ختم ہوئی علم آیا..... چنانچہ جو آدمی اس راستہ میں ایمان اور علم کے ساتھ چلے گا تو اسے بلندیاں ملیں گی......ترقیاں ملیں گی....﴿یرفع اللہ الذین آمنو منکم والذین اوتوالعلم درجات﴾ اللہ تعالیٰ بلندی دیں گے ایمان والوں کو اور علم والوں کو، اس وجہ سے کہ علم والے رہبر ہیں، اور رہبری کے لئے علم شرط ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دو نعمتیں دے رکھیں ہیں، حضور ﷺ کے ذریعہ سے ایمان ملا، ورنہ لوگ کفر اور شرک میں مبتلا تھے، اور جہالت میں مبتلا تھے..... جب یہ دونوں باتیں پیدا ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے امت کو بلندی عطاء فرمادی، اور انہیں رہبری کا مقام دیا، اب یہ امت لوگوں کی آخرت کی طرف رہبری کرے گی، کیوں کہ ایمان بالآخرہ بھی ضروری ہے....نبیوں پر..... کتابوں پر..... ایمان لانا ضروری ہے.... جب یہ ذمہ داری پوری ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے بلندی عطا کی، اور ہر لائن کی بلندی، اور یہ بلندی ایسی تھی جسمیں وہ اسباب کے محتاج نہیں تھے، یعنی مالداری کی وجہ سے یا عہدہ کی وجہ سے یہ بلندی آئی ہو!!! ایسا نہیں ہے، ہاں!!! مالداری بھی آئی اور عہدے بھی آئے مگر وہ اصلی سبب نہیں تھے..... بلکہ انکا ایمان انکا علم یہ دونوں اصلی سبب تھے..... اسی کو حضرت عمر فرماتے تھے کہ ہم تو جاہل تھے، اللہ نے ہمکو اسلام سے عزت دی ہے...... تو اصلی سبب ایمان یقین......اور اللہ کے اوامر کا علم...... اللہ کی پاک صفات کا علم..... اسکی شان وشوکت کا علم..... یہ دونوں اصلی سبب تھے، فرماتے تھے اللہ نے ہمکو ان ہی دو چیزوں سے عزت دی...... دوسری چیزوں سے عزت نہیں دی ہے، اگر ہم اور چیزوں میں عزت تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ذلیل کردے گا!

دین تسخیر عالم کا نسخہ ہے:

جب ایمان اور علم جمع ہوگیا تو دین جمع ہوگیا...... مولانا الیاسؒ فرماتے تھے کہ دین تسخیر عالم کا نسخہ ہے، اونچی بات ہے، تسخیر: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کو بندوں کے کام میں لگایا ہے، ﴿ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً مِنْهُ﴾ [الجاثیة/۱۳] تسخیر کا ترجمہ شاہ صاحب نے یہ کیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا، سورج کو کام میں لگایا.... چاند کو کام میں لگایا..... ہوا کو کام میں لگایا... پانی کو کام میں لگا دیا، سمندروں کو کام پہ لگایا.... و سخر لکم البحر۔ ان سب کو تمہارے کام میں لگا دیا..... تمہاری منفعت میں لگا دیا، یہ چیزیں تمہاری خدمت کریں گی، یہ تسخیر ربوبیت کی وجہ سے ہے، کہ ہمارا اللہ رب ہے، رب ہونے کیوجہ سے ان سب چیزوں کو کام میں لگا دیا۔

تسخیر کی دوسری قسم:

اور تسخیر کی ایک دوسری قسم ہے، جو پہلی قسم سے اونچی ہے، اور یہ تمہارے علم تمہارے ایمان کی وجہ سے، جیسے موسیٰؑ کے لئے سمندر پھٹ گیا، ابراہیمؑ کے لئے آگ ٹھنڈی ہوگئی، ایسا انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوا....... اور یہ اعلی درجہ ہے، اور وہ بھی تسخیر ہے، جیسے سمندر میں کشتی وغیرہ کے ذریعہ سواری..... یہ تو کافر مشرک سب کے لئے ہیں، لیکن سمندر پھٹ جاوے اور سمندر سے راستہ مل جاوے، یہ سب دین کی وجہ سے ہوا ہے..... بنجر زمین میں شادابی ہوجاوے، یہ سب کچھ دین کی وجہ سے ہوتا ہے.... حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ دین تسخیر عالم کا نسخہ ہے، کہ سارا عالم آپکی خدمت کرے گا، یہ بلندی ہے..... اللہ کی طرف سے دین والوں کے لئے، جو ایمان

اور علم سے آراستہ ہیں اللہ انہیں یہ سب دیگا، یہ لوگ سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔

علم: اللہ اور بندہ کے تعلق کو صحیح کرنے کے لئے ہے!

اس سے علم دین کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، کہ علم دین کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی اہمیت ہے؟ علم کے فضائل ہیں...... ایمان کے فضائل ہیں..... جن کو ہم اور آپ روزانہ سنتے ہیں، کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہوگا، چنانچہ اصلی فضیلت کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو جو علم عطا فرمایا ہے، اور جو انبیاء کرام کے ذریعہ سے اللہ نے پہونچایا، وہ علم مراد ہے، وہ علم نہیں جو انسان کو تجربوں سے حاصل ہوا ہے..... یہ ضروریات کے لئے ہے، اور وہ کامیابی کے لئے ہے..... اس لئے علماء نے فرمایا ہے جو علم اللہ تعالیٰ نے عطاء کیا ہے، وہ حقوق کی معرفت کے لئے ہے...... اللہ نے دنیا کو اس لئے بنایا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق قائم ہوں گے، اور وہ حقوق ادا کئے جائیں گے، حقوق انسانوں میں قائم ہوں گے..... جانوروں میں نہیں!!! بقائے باہم انسانوں کے لئے ہے جانوروں کے لئے نہیں...... جانوروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں.... کہ کون ماں ہے؟ کون باپ ہے؟ کون پڑوسی ہے؟.

حقوق کی اہمیت!

انسانوں کے آپس میں تعلقات ہیں، جانوروں کے آپس میں کوئی تعلقات نہیں......صرف انسانوں کے تعلقات ہیں، اور جب انسانوں کے تعلقات ہیں تو ان کے حقوق بھی ہیں، انہیں حقوق کی تعلیم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اتارا، اور ان سب کے اوپر اللہ تعالیٰ کا حق ہے، حضور اکرم ﷺ حضرت معاذ کو اللہ کا حق سمجھا

رہے ہیں، اے معاذ اللہ کا ہم پر کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کہ میں کیا جانوں؟ آپ ہی بتائیں گے، اللہ کا کیا حق ہے، آپ ﷺ نے کہا اللہ کا حق یہ ہیکہ تو اسکی عبادت کرے..... اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اللہ کا بھی حق ہے، اور پھر بندوں میں آپس میں بھی حقوق ہیں...... ان حقوق کی سلامتی کی وجہ سے دنیا کی سلامتی ہے، ان حقوق کی پامالی کی وجہ سے دنیا کی پامالی ہے، اور اللہ تعالی کے حقوق پامال ہونگے تو زمین میں فساد آئے گا..... اللہ نے جن بعض قوموں کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے، ان کے فساد کا ذکر کیا ہے. ﴿فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الفَسَادَ، فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ صَوْتَ عَذابٍ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالمِرْصَادِ﴾ [سورة :الفجر، آیت:۱۲ تا ۱۴] وہ صحیح معنوں میں اللہ کے ماننے والے نہیں تھے، انہوں نے نبیوں تک کو قتل کرڈالا...... جب اللہ کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے، تو انسان قابو نہیں رہتا..... وہ فساد کا حامل ہوجاتا ہے، قارون سے فرمایا: ہم نے تم کو مال دیا ہے اسلئے آخرت بنالے، وَابْتَغِ فِيْمَا آتَكَ اللهُ الدَّارَ الآخِرَةَ اور آخر میں کہا ﴿وَلاَ تَبغِ الفَسَادَ فِي الأَرْضِ﴾ [سورة : القصص، آیت، ۷۷] جب اللہ تعالی کے حقوق پامال ہوں گے..... اور عبادت کا وجود ختم ہوجائے گا تو پھر فساد ہی فساد ہے، اس لئے اللہ کے حقوق ضروری ہیں، ورنہ زمین فساد سے بھر جائے گی..... اور جب اللہ دیکھیں گے کہ زمین پر فساد ہورہا ہے تو اپنی سزا اتاریں گے۔

حقوق کی پابندی ضروری:

اس لئے اللہ کے حقوق کی پابندی بھی ضروری اور آپس میں بندوں کے حقوق کی بھی پابندی ضروری..... اس مجموعہ کا نام ہے اطاعت ہے.... اسی کو زندہ کرنے کے

لئے نبیوں کی بعثت ہوئی ہے، کہ لوگوں کی زندگی میں اطاعت آوے، نبیوں کی بعثت اطاعت کے لئے ہے، اور اطاعت کے یہی معنی ہیں، ﴿وَمَاأَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِاذْنِ اللهِ﴾ [النساء/٦٤] اس لئے اللہ تعالی رسولوں کو بھیجتے ہیں، تا کہ زندگیاں اطاعت والی ہوجائیں، تو ایمان اور عمل کے مجموعے سے زندگیاں اطاعت والی بنتی ہیں۔

اللہ تعالی اطاعت پر انعام دیتا ہے:

اور اللہ تعالی کے سارے انعامات کا تعلق اللہ کی اطاعت سے ہے، ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاؤلئکَ مَعَ الذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ﴾ الخ، جو اطاعت کریں گے وہ انعام پائیں گے، اور انعام پانے والوں کے ساتھ ہی رہیں گے......اس لئے میں نے کہا کہ جو علم اللہ نے ہم کو اور آپ کو دیا اسکا موضوع دنیا بنانا نہیں ہے، بلکہ اس کا موضوع حقوق کی حفاظت ہے.....جو حقوق اللہ کے ہیں وہ ادا کئے جائیں، جان اور مال اور اللہ کی دی ہوئی طاقتیں یہ سب اللہ کی اطاعت میں استعمال ہوں، اسکے طریقے اسمیں بتائے جاتے ہیں، پھر آپس کے حقوق ...... اسکو معاشرت کہتے ہیں، اور معاملات کہتے ہیں، یہی سکھایا نبیوں نے کہ دوسروں کے ساتھ تمہارا رہن سہن صحیح ہوجاوے، بیوی کے ساتھ بھی صحیح ہوجاوے، ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالمَعْرُوْفِ﴾، کہ تمہاری معاشرت تمہاری بیوں کے ساتھ قاعدہ کی ہو. جیسے عورتوں کے بارے میں کہا ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالمَعْرُوْفِ﴾ تمہارا عورتوں پر اتنا ہی حق ہے جتنا ان پر تمہارا حق ہے، یہ ہے آپس کا رہن سہن ہے.....اور اسکے احکام بھی ہیں، اور آپس کے رہن سہن کی بنیاد بتائی ہے، یہ علم ہے ہمارے معاشرت کی بنیاد....دوسروں سے نفع حاصل کرنے پر نہیں ہے، بلکہ ہماری معاشرت دوسروں کو نفع پہونچانے کے لئے

ہے.... اس علم میں یہی سکھایا ہے، اس لئے ہمارے معاشرت کی بنیاد احسان پر ہے...... جس طرح ہماری عبادت کی بنیاد یقین اور اخلاص پر ہے، اسلئے آیا ہے کہ ''إِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الذَّبْحَ'' کہ جانور ذبح کرو تو احسان کے ساتھ ذبح کرو، ''وَاذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الْقَتْلَةَ'' اور سانپ مارنا ہے تو فوراً مار ڈالو ستا ستا کر مت مارو۔

حضور ﷺ کی معاشرت!

اس طرح غور سے پڑھا کریں کہ حضور ﷺ جو معاشرت لائیں وہ کیسی ہے، دشمنوں کے ساتھ، وہ کیسے ہیں؟ کہ دشمن کے ساتھ دشمنی کرنا جائز مگر انصاف سے، جتنی دشمنی ہے اتنی! بس، اس سے زیادہ نہیں..... ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ کسی کی دشمنی تمہیں حد سے آگے نہ جانے دے، ہم کو پابند کیا ہے، اور یہ سب اطاعت ہے، دشمنوں کے ساتھ دشمنی میں اطاعت، اپنوں کے ساتھ معاشرت میں اطاعت ۔

معاشرت احسان کے ساتھ:

ہماری معاشرت..... ہمارا رہن سہن احسان پر ہے، احسان کی پوری تفصیل بتائی ہے، کہ احسان کہاں کہاں کرنا ہے، ﴿وَاعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِه شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً.....وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ [النساء/۳۶] احسان کرنے کی بڑی فہرست دی ہے، حضور ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا تھا، اور آپ پر یہ بات نازل ہوئی کہ ان سب کے ساتھ احسان کرو!!! اسمیں بھی درجے رکھے، چنانچہ سب سے پہلے ماں باپ، کیوں کہ ماں باپ کا کوئی بدل نہیں ہے، میری والدہ کا ۸۴ء میں انتقال ہو گیا تھا، تو میں حضرت جی کے پاس گیا..... آپ نے تعزیت کے طور پر مجھ سے فرمایا کہ ماں باپ کا بدل تو صرف اللہ ہی ہو سکتا ہے..... اور کوئی نہیں ہو سکتا، مان

باپ سے زیادہ کوئی مہربان نہیں، سوائے اللہ کے، اللہ سب سے زیادہ مہربان ہیں..... پھر ماں باپ، اس لئے احسان کرنے میں انکا درجہ پہلا ہے، انکے لئے دعاء مانگو..... انکی حدمت کرو!! یہ ہمیں معاشرت کا علم دیا ہے۔

زندگی میں عدل اور احسان:

حضور ﷺ کو ایمانیات کا......اخلاق کا......معاملات کا......معاشرت کا...... کامل علم دیا گیا...... اور اسکی بنیادیں بتائیں کہ ہماری زندگیاں لوگوں کے ساتھ احسان والی ہوں، انصاف والی ہوں، انصاف یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کریں گے وہی دوسروں کے لئے پسند کریں گے، اور جو اپنے لئے نہیں پسند کریں گے وہ دوسروں کے لئے نہیں پسند کریں گے، ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالعَدْلِ وَالاحْسَانِ﴾، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس لئے ہماری معاشرت کی وجہ سے انسانیت کے اندر بھائی چارگی پیدا ہو جاتی ہے، اگر حضور ﷺ والی معاشرت وجود میں آجائے تو تمام دشمنیاں ختم ہو جائیں، جیسے اسلام سے پہلے انصار مدینہ دشمن تھے، پھر بھائی بھائی ہو گئے، اور قرآن نے کہا کہ، ﴿فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً﴾ یہ معاشرت انکو حضور ﷺ سے ملی ہے، ورنہ وہ ایک دوسرے کے برسوں سے دشمن تھے.....اور اس دشمنی میں فساد بھی ہو رہا تھا، اور لوگ ذلیل بھی ہو رہے تھے، اور اب حضور ﷺ والی معاشرت کی وجہ سے زندگیاں بدل گئیں، اس لئے اپنی جان سے اپنے مال سے احسان کو زندہ کرو! اور احسان سب کے ساتھ کرو!، حتیٰ کہ کسی جانور کو ذبح کرو تو اسکے ساتھ بھی احسان کرو! تا کہ اسکو تکلیف نہ ہو۔

سچے تاجر کی فضیلت:

جس طرح ہماری معاشرت کی بنیاد احسان پر ہے، اسی طرح ہمارے معاملات کی بنیاد امانت داری اور سچائی پر ہونی چاہئے، ہم سچائی کے ساتھ لین دین کریں، تا کہ ہماری لین دین سے کسی کو نقصان نہ ہو..... اور تاجر کو سچا اور امانت دار ہونا چاہئے، حدیث میں آیا ہے، "التاجر الصدوق الأمین" چنانچہ ہمکو مختلف چیزیں دی ہیں، معاشرت کا علم دیا..... معاملات کا علم دیا..... تو جس کی تجارت پاک ہوگی وہ نبیوں کے ساتھ ہوگا، صدیقین کے ساتھ ہوگا، اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوگا، یہ سب کچھ ہمکو اس لئے دیا ہے تا کہ حقوق کی حفاظت ہو۔

اخلاق کی تعلیم:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمکو اخلاق کا علم دیا، اور اخلاق سکھائے، کہ ہمارے اندر ایسی صفات پیدا ہو جاویں جن صفات سے دوسروں کو نفع پہونچے، اور دوسروں کو نفع پہونچانے کا حرص پیدا ہو جاوے..... حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت آئی، وہ بہت غریب تھی، اس زمانہ میں غربت عام تھی، وہ کوئی چیز ہدیہ دینے کے لئے لائی تھی، حضرت عائشہؓ کو اس پر بہت رحم آیا، کہ یہ بیچاری خود کتنی ضرورت مند ہے؟ اس احساس سے حضرت عائشہ نے ان کا ہدیہ نہیں لیا..... اور اسکو سمجھا کر واپس کر دیا...... جب حضور ﷺ تشریف لائے تو پوچھا، اللہ جزائے خیر دے حضرت عائشہ کو!!! وہ اپنے بارے میں اور آئندہ کیا ہونا ہے اس بارے میں حضور ﷺ سے سوالات کیا کرتی تھیں، ان کے سوالات سے امت کو بہت فائدہ ہوا ہے، مثلاً حضرت عائشہ نے پوچھا کہ میں شب قدر میں کیا دعا مانگوں؟ حضرت عائشہ کے سوال سے ہم کو دعا مل گئی، یہ ان کا علمی مزاج تھا..... اس لئے وہ اپنی چیزیں پیش کرتی تھیں، کہ میں نے آج ایسا کیا صحیح ہے یا غلط؟ تو حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے پاس ایک

عورت آئی تھی، اور وہ ایسی ایسی تھی، تو میں نے اسکا ہدیہ اسکو واپس کر دیا..... تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسکا ہدیہ لے لینا چاہئے تھا، اور اپنے پاس سے اچھا ہدیہ دینا چاہئے تھا، یہ اخلاق کی تعلیم ہے...... حضور ﷺ احسان کے جواب میں احسان کرتے تھے، یہ آپ کی عادت شریفہ تھی، احسان کے جواب میں احسان، اور ظلم کے جواب میں درگزر، یہ اخلاق کی تعلیم دی ہے۔

اس لئے ہم نے کہا کہ ہمیں ہر لائن کا پورا علم دیا گیا ہے، اور یہ سب اسلئے ہے تا کہ دنیا میں حقوق ادا ہو جاویں، جس قسم کے بھی حقوق ہوں! چاہے واجب ہوں..... چاہے حقوق مستحبہ ہوں..... وہ سب ادا ہو جاویں، اس لئے علم اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، اور اس علم کی ایک شرط یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا یقین کرے، ﴿اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ بَشِیْراً وَ نَذِیْراً﴾ [فاطر/۲۴]، ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔

علم نبوی کا تقاضہ:

جو چیز حضور پر اتری ہے اس کے حق ہونے کا یقین کرنا ہے، اور رسالت کا حق یہی ہے کہ آپ کو سچا رسول مانیں! آپکی باتوں کو سچا مانیں! اس علم کے حق ہونے کا یقین ہو! اور دوسرا یہ کہ اپنے آپ کو اس علم کا تابع بنانا یہ اس علم کا حق ہے..... تو پھر اس علم کے سارے ثمرات اللہ تعالیٰ مرتب کریں گے...... حضورؐ کو خود بھی اللہ تعالیٰ نے اس علم کا تابع کیا، کہ آپ اس کے تابع رہیں! ﴿وَاتَّبِعْ مَااُوْحِیَ اِلَیْکَ﴾ جو چیزیں آپ پر اتری ہے آپ اس کے تابع رہیں! تو خود نبی کو بھی استقامت کا حکم ملا.....﴿فَاسْتَقِمْ کَمَااُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَکَ﴾ آپ تابع رہیں! اور آپ استقامت اختیار کریں!! تو اس علم کا یہ تقاضہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کا تابع بنانا ہے، اور اس پر یقین کریں کہ یہ حق ہے، جو اپنے آپ کو اس علم کا تابع بنا لیگا وہ

راشد ہے......وہ راستہ پایا ہوا ہے......جو تابع نہیں وہ غاوِی ہے، یعنی راستہ بھٹکا ہوا ہے، بہکا ہوا ہے، ﴿اُوْلٰئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ صحابہ کو کہا گیا ہے کہ وہ راشد ہیں یعنی یہ لوگ راستہ پائے ہوئے ہیں......نہیں تو پھر غاوی ہیں......شیطان کے تابع ہیں......شیطان کی تابعدار کرنے والے اور خواہشوں کی تابعداری کرنے والے غاوی ہیں......وہی شیطان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ﴿إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ﴾ [الحجر /۴۲] یہ غاوی ہیں، اور وہ راشد ہیں۔

انبیاء کرام کی وراثت:

دنیا میں اللہ نے جو علم دیا ہے اس میں رشد ہے اور ہدایت ہے......لیکن ان لوگوں کیلئے جو اپنے آپ کو اس کا تابع بنائیں، اس علم کے ذریعہ سے اپنے آپ کو حکموں پر چلائیں، حکموں پر چلنے سے اس کا صحیح استعمال ہوتا ہے، اور یہ اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچ جاویں......اسی لئے بڑا درجہ علم والوں کو ملتا ہے، سب سے بڑا درجہ انبیاء کرام کا ہے، وہ علم لے کر آتے ہیں، ان کے پاس اور کوئی چیز نہیں ہوتی......انبیاء کیا لائے؟؟؟ وہ علم لیکر آئے، اسی علم کا لوگوں کو وارث بناتے ہیں، اور لوگوں کو اسی علم کا تابع ہونے کی دعوت دیتے ہیں......بلکہ سیکھنے کی...... پڑھنے پڑھانے کی......تعلیم دیتے ہیں، اس علم کے مقابلے میں کوئی چیز بڑی نہیں!! دنیا کی دولت اس علم سے بڑی نہیں ہے!! یہ سب سے بڑی چیز ہے، علم جو اللہ نے دیا ہے، یہ علم سب کی ضرورت ہے......حاکم کو حکومت میں اس علم کی ضرورت ہے......اور تاجر کو تجارت میں اس علم کی ضرورت ہے......ہر کام کرنے والوں کو اس علم کی ضرورت ہے......تاکہ انسان اس علم کے ذریعہ سے اللہ کی رضا حاصل کرلے! نہیں تو وہ اللہ کی ناراضگی میں پہنچ جائے گا،

اگر حاکم کے پاس یہ علم نہیں تو وہ ظالم بن جائے گا...... اس علم کے بغیر تاجر خائن بن جائے گا...... اسی طرح کے فضول کام میں چلا جائے گا، اس لئے علم کا ہونا ہر ایک کیلئے ضروری ہے، کہ اس کا سیکھنا فرض ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے...... اسے سیکھو!.

ترغیب اور بشارت کی اہمیت:

حضور کے زمانہ میں جہالت تھی...... شرک تھا...... حضور ﷺ نے لوگوں پر بہت محنت کی ہے، ان کے مزاجوں کو بدل دیا، اور ان کو دین کا طالب بنادیا، دین کا طالب بنانے کیلئے آپ نے کیا چیزیں استعمال کیں؟ تو وہ ترغیب کا علم تھا جو اللہ نے آپ پر نازل کیا...... نبیوں کو اللہ نے نذیر بشیر بنا کر بھیجا، وہ بشارتیں سناتے ہیں، کہ اللہ سے یہ چیز لو! اللہ سے وہ چیز لو! اس لئے اللہ کو ایک مانو! اللہ کو ایک منوانے کے لئے توحید کی دعوت دیتے تھے۔ جب یہ بات مانو گے تو یہ دے گا وہ دیگا...... وہ دیگا...... تو بشارتیں سناتے تھے۔ انجام سے ڈراتے تھے، یہ نہیں کرو گے تو ایسا ہو جائے گا، یہ طریقہ ہے لوگوں کو لانے کا...... لوگوں کو بشارتیں سناؤ! اور انجام سے آگاہ کرو! دوسری چیز ان میں طلب پیدا کرنے کیلئے اور تعلق پیدا کرنے کے لئے اللہ کے رسول نے ان سے اخلاق کا معاملہ کیا، ان کے پاس جہالت تھی، حضور ﷺ نے جہالت کے بدلے اخلاق سے معاملہ کیا، اسی سے طلب پیدا ہوگی، اس علم کے ساتھ لوگوں میں ہمدردی ہوتی ہے، آپ ﷺ کے وقت میں جہالت اونچے درجہ کی تھی، اس لئے آپ کو اخلاق کا بہت درجہ دیا گیا...... اس لئے اللہ تعالیٰ فرمایا ﴿وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ آپ کے دور میں جہالت بہت زبردست تھی، ایسی جہالت کبھی نہیں ہوئی، اور برسوں سے دین کی باتیں لوگوں کے کان میں آئی نہیں...... برسہا برس ہو گئے، ۔حضرت عیسیٰ سے لے کر آپ تک۔ اس جہالت کے جواب میں حضور ﷺ کو اعلیٰ اخلاق سے نوازا،

چنانچہ آپ نے اخلاق سے باور کرایا، ﴿خُذِ العَفْوَ وَأمُرْ بِالعُرْفِ و أعْرِضْ عَنِ الجَاهِلِيْنَ﴾ یہ اصول کی بات ہے. کہ آپ اخلاق سے پیش آئے لوگ گرویدہ ہو گئے......انکو تعلق پیدا ہو گیا......محبت پیدا ہو گئی......پھر اس کے بعد دین آیا......آپ دین دیتے چلے گئے اور وہ لوگ دین سیکھتے چلے گئے، اور دین پھیلتا چلا گیا۔

دعوتی اسلوب:

ہمارے لئے یہی طریقہ ہے......کہ لوگوں کو بشارتیں سنائیں! ان کو انجام سے ڈرائیں! ان کی جہالت پر درگزر کریں! ان سے اخلاق سے پیش آئیں! اسی لئے محبت کریں گے جسے دین سکھائیں گے اس سے اخلاق سے پیش آئیں گے، وہ آپ سے محبت کرے گا...... وہ آپ کی ہر چیز قبول کرلیگا......تو ہمارے دین میں دونوں باتیں ہیں...... ہمارے دین میں اخلاق بھی ہیں...... اور انصاف بھی ہے......اور ہمارا انصاف بھی ہے، اور ہمارا اسلوب بھی ہے، کہ ہم بشارتیں سنائیں انجام سے ڈرائیں! طعن تشنیع ہمارے پاس نہیں ہے ہمارے دین میں زبردستی نہیں ہے، یہ ایک طریقہ ہے، اسی طریقہ سے لوگوں میں محبت پیدا ہوگی، پھر وہ آپ کی ہر بات قبول کریں گے، اور معاشرہ درست بن جائے گا، ایک ماحول بن جائے گا، ایسے ماحول میں جو بات سمجھائی جاتی ہے اس کو آدمی ذمہ داری سے قبول کرتا ہے۔ حضرات صحابہ کا یہی واقعہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا ہو گیا تو آپ کی کوئی بات گرنے نہیں پائی......صحابہ سے کوئی بات کہی ہو اور نہ لی گئی ہو ایسا نہیں ہوا، ایک آدمی حاضر خدمت ہوا، اور اسکو سب کے سامنے ڈکار آئی......آپ نے فرمایا ڈکاریں کم کرو "اکثر من جشائك" تو بس تیس برس تک پیٹ بھر کے کھایا نہیں، دن میں کھاتے تو رات میں نہیں کھاتے......رات میں کھاتے تو دن میں نہیں کھاتے......اپنے کو اتنا پابند بنایا......

یہ پابندی کوئی قانون کی پابندی نہیں تھی، بلکہ تعلق کی پابندی تھی، اس لئے یہ طریقہ کام کرنے والوں کیلئے مشکل ہے، ہمارے نبیوں پر بہت مشکلیں گزرتی تھیں، انہیں مشکلوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالتے ہیں...... ہدایتیں ڈالتے ہیں...... پھر تو وہ پابند ہو جاتے ہیں...... کہ اللہ اور رسول کو ناراض نہیں کرنا ہے۔

اخلاق سے دشمن دوست ہو جائے گا:

یہ بینادی اسلوب ہے، مگر ہے مشکل! اس لئے اس کام کیلئے پتہ مارنا پڑتا ہے...... اپنے آپکو مارنا پڑتا ہے، پھر دشمن دوست بن جائے گا۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَتِی هِیَ أَحْسَن فَاذَا الذِی بَیْنَک وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیمٌ﴾، یہ بشارت ہے کہ اخلاق سے پیش آؤ گے...... تو دشمن بھی تمہارا دوست ہو جائے گا۔ اللہ کے حضور نے ایسا ہی کیا کہ لوگوں کو اخلاق ومحبت سے دین سمجھایا، اس اسلوب میں ظاہر ہے اپنے آپ کو پیسنا پڑتا ہے، اپنے آپ کو بنانا پڑتا ہے...... اخلاق والا...... اخلاص والا...... پستا ہے، نبی امت میں خود ہی پہنچتے ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی طلب نہیں آتی، اپنے بھائی کے پاس جاتے کہ ان کے اندر دین کی تڑپ پیدا ہو جائے، یہ نہ ہو کہ وہ سنتے نہیں...... وہ بات مانتے نہیں...... یہ پتہ مارو کام ہے، لیکن کام بن جائے گا، دشمن دوست ہو جائے گا، ہاں لیکن دیر لگے گی...... وہ دیر اس لئے لگی کہ حق اور باطل میں فرق ہے...... حق اپنا اثر دیر سے بناتا ہے، اور باطل کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے، اور باطل جلدی پھیل جائے گا۔

حق محنت سے پھیلتا ہے:

اس لئے حق والوں کو محنت کرنی پڑتی ہے...... حق کی مثال ایسی دی ہے جیسے زمین

سے کوئی چیز اگے...... ایسے ہی حق ہے، لیکن دلوں میں جڑ پکڑتا ہے، وہ زمین میں جڑ پکڑتا ہے، تو جتنی اسکی جڑ مضبوط ہوتی ہے اتنا اس کا تنا مضبوط ہوتا ہے...... اس طرح جب ایمان دلوں میں جڑ پکڑلے گا تو وہ مضبوط ہوتا چلا جائے گا، لیکن لگے گی دیر!!! اس لئے اس پر محنت زیادہ کرنی پڑے گی، اس پر وقت زیادہ لگانے پڑیں گے، تاکہ یہ دین دلوں میں اتر جائے، حضرت مولانا الیاسؒ فرماتے تھے حق بات کے لئے اللہ نے فرمایا ﴿وما علینا الا البلاغ﴾ یہ بلاغ صرف کانوں تک نہیں ہے، بلکہ یہ بلاغ دلوں تک ہے، تاکہ دلوں میں اتر جائے، تو دلوں تک صحابہ کرام اتار دیتے تھے۔ گویا کہ یہ بات ہمارے دلوں میں پھونک دی ہے، سنی بھی...... سمجھی بھی...... اور یقین بھی کیا ہے.

صحابہ کا علمی مذاکرہ:

حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ ہم صبح کی نماز کے بعد حضورؐ کے یہاں بیٹھ جاتے تھے پھر حضورؐ اپنی باتیں فرماتے تھے...... اور مجلس ختم ہو جاتی تھی، تو ہم ان باتوں کو آپس میں دہراتے تھے...... تو ایک ایک بات چار چار مرتبہ ہم پر گزرتی تھی، تکرار کرتے، جب مجلس ختم ہوتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ چیزیں ہمارے دلوں میں آگئی ہیں، اس کو کہتے ہیں رسوخ فی العلم، علم پکا ہو گیا...... تو حاصل کرنے کی بھی محنت...... پھر عمل کرنے کی بھی محنت...... اس کے تقاضے بھی پورے کرتے تھے، اس لئے رشد والے ہدایت والے ہو گئے۔

علم دین کے اثرات:

پھر اس علم کے اثرات دنیا خود دیکھے گی...... کہ یہ لوگ بھائی بھائی ہو گئے، ان کے

حقوق ادا ہو گئے، ان کی فضا محبت والی ہوگئی، اور ان کی زندگیاں ساری کی ساری اطاعت والی بن گئی، حیات طیبہ ان کو ملی...... اطاعت کی وجہ سے...... یہ اس علم کا نتیجہ ہے، ایمان اور علم یہ دونوں بڑی نعمتیں ہیں...... حضور ؐ کو علی وجہ الاتم یہ سارے علوم دئے گئے تھے، اس لئے ہماری ذمہ داری اس علم کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے، کہ ہم اپنے آپ کو اس علم کی روشنی میں چلائیں گے، اور امت کو بھی چلانا ہے، حضرت مولانا یوسف ؒ فرماتے تھے کہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ علماء کو پیدا کریں...... علماء اپنی محنت سے علماء پیدا کریں، ...... علماء تیار کریں، تا کہ ذمہ داری لینے والے یکے بعد دیگرے آتے رہیں اور حالات بہتر بنیں، جیسے صحابہ نے کیا...... علماء کو تیار کیا...... اپنے غلاموں کو علماء بنایا...... ان کے غلام ہیں خدمت گزار...... ان کو عالم بنایا، اپنی محنت سے اپنی کاوش سے...... صرف یہ نہیں کہ ان سے خدمت لی...... کام کاج کروائے...... کام بھی کرایا اور ان کو علم بھی دیا، اور ان کو بڑے بڑے عالم بنائے، یہ کون ہیں؟ یہ فلاں کے مولیٰ ہیں! یہ ان کے غلام ہیں! یہ نافع ہیں، بہت بڑے عالم ہیں، نافع عن ابن عمر روایتوں میں ہے...... یہ ذمہ داری ہے کہ علماء تیار کریں، جو ذمہ داری دی گئی ہے اسے پوری کریں...... دوسری بات یہ ہے کہ علماء کے ذمہ ہے لوگوں کو طبقات کا علم دیں! تا کہ زمین داروں کے پاس علم پہنچے! عہدے داروں کے پاس عہدے داری کا علم پہنچے...... تاجر کے پاس تجارت کا علم پہنچے...... تا کہ اس کی تجارت دین بن جائے...... ہماری کتابوں میں تجارت کے بارے میں مضاربت وغیرہ کا بیان ہے، جی ہاں! تجارت کا علم دیا، یہ علماء کی ذمہ داری ہے تو اس سے تمام طبقات کو علم ملتا ہے۔

جہالت کا انجام جہنم ہے:

تو علم دینے والوں کو تیار کرنا ہے، یہ ذمہ داری بتانی ہے، حدیث کا درست مفہوم

سمجھانے والے...... فقہ والے...... فتاویٰ دینے والے......ضروریات کے مطابق اصولوں سے فروعات کا استنباط کر کے سمجھانے والے...... کیوں کہ نئے نئے تقاضے پیدا ہوں گے، ایسے علماء ہونے چاہئے کہ اصولوں سے استنباط کریں، اور پھر لوگوں کو سمجھائیں، تا کہ ہماری زندگی علم پر رہے...... کیونکہ علم اور ایمان دونوں بنیادی چیزیں ہیں، میں نے کہا جب تک ایمان پر زندگی ہے تب تک ہماری زندگی میں خیر ہے، جب علم اٹھ جائے گا تب جہالت والی زندگی ہو جائے گی، پھر سارے حقوق پامال ہوں گے، جاہل اس کو کہتے ہیں جس کو حقوق کا علم نہ ہو، اور اس کا انجام ظاہر ہے...... جہالت کا انجام کیا ہے؟؟؟ جہالت کا انجام جہنم ہے، ایک چھوٹی سی کتاب میں پڑھا تھا، اصول کریمہ ہے تو کتاب چھوٹی......لیکن باتیں اس کی بڑی بڑی ہیں، کتاب لکھنے والا بڑا ہے، کہ دیکھو جاہلو! آنکھیں بند مت کرو! کیونکہ جہالت کا انجام جہنم ہے، کیونکہ حقوق کی پامالی ہے، تو جاہل انسان ماں باپ کو مارے......تو یہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ ہم کو دین دیکر اور علم دیکر جہالت سے نکالا...... اور حقوق پر...... احسان پر......انسان بنایا کہ ہمارے حقوق کی ذمہ داری احسان ہوگا، انصاف ہوگا...... پھر رحمت ہماری طرف متوجہ ہوگی۔

دعوت سے طلب پیدا ہوتی ہے:

اسی سے ہمارے حالات ٹھیک ہونگے ﴿اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ فرمایا گیا، کہ اطاعت کرو اللہ کی......اطاعت کرو رسول کی، تا کہ تم پر رحم ہو جاوے، تو رحم کے حالات اطاعت کے ساتھ آتے ہیں، بغیر اطاعت کے رحم کے حالات کیسے آئیں گے، اس لئے دنیا میں اطاعت کی فضا بنانا ہماری ذمہ داری ہے، تو اطاعت سے کریں گے......محنت کریں گے......اس سے فضا بنے گی، طلبہ میں

طلب پیدا کرانا یہ بنیادی کام ہے، جب طلب پیدا ہوگی تو وہ خود ہی تلاش کریں گے، طلب کی وجہ سے سلمان فارسیؓ۔ان کے ماں باپ مجوسی، ماحول ان کا مجوسی۔اللہ نے دل میں طلب پیدا کی تو کتنے کتنے سالوں تک دین حق کی تلاش میں رہے، ڈھائی سو سال کی عمر پائی، اوراس علم کی طلب میں اللہ تعالی نے انکوحضور ﷺ تک پہونچا دیا، اور وہ صحابی ہو گئے...... اللہ کے یہاں طلب کی قدر ہے، اللہ کے یہاں طلب اصل ہے، جب طلب پیدا ہوگی تو لوگ علم حاصل کریں گے،اور انکواپنی غلطی کا احساس ہوگا، دعوت اس لئے ہوتی ہے کہ امت میں تڑپ پیدا ہوجاوے، تعلق پیدا ہوجاوے،اللہ کی نعمتوں کا احساس اوراس کے تقاضوں کا احساس پیدا ہوجاوے.

اچھے اسلوب سے دعوت دیں:

اوراس کا یہی اسلوب ہے، کہ ان کے ساتھ اخلاق سے ترغیب وترہیب سے ان کو مائل کرنا......ان کے نہ ماننے پر مایوس نہ ہونا، بعض لوگ دیر سے مانتے ہیں، بعض لوگ جلدی مانتے ہیں...... طبیعتیں مختلف ہیں.اب اس کی فضاء بنانی ہے، سب کی طبیعتوں کا یہ حال ہے، اس لئے اس کی محنت مل جل کر کی جائے گی، سب کو یہ محنت کرنی ہے......محنت مل جل کے کی جاتی ہے......اس لئے اپنے آپ کواس محنت میں لگانا ہے، یہ بنیادی محنت ہے، اور اسکی ضرورت ہے......ہم کو اپنی حیثیت سے طلب آئے گی، اوران کوان کی حیثیت سے طلب آئے گی۔

طلب مختلف ہوتی ہیں:

جولوگ لاکھوں کماتے ہیں، ان کے اندر لاکھوں کی طلب ہوتی ہے...... جولوگ دس بیس کماتے ہیں ان کے اندر دس بیس کی طلب ہوتی ہے......تو طلب بھی مختلف ہیں، جو کیلا بیچتا ہے اس کو لاکھوں کی طلب کہاں ہوگی؟ اس کو دس بیس روزانہ مل

جاوے...... اس کو روزی مل جاوے ......ابھی اس کی حیثیت نہیں، جب اس کی حیثیت بڑی ہو جاوے گی تو وہ بھی لاکھوں کی سوچے گا، طلب کے درجہ ہیں...... جو بھی ہو، حالانکہ دین کی طلب محمود ہے......لوگوں کے نہ ماننے سے مایوس نہ ہونا چاہئے.

دین نا گواریوں سے آتا ہے:

یہ دین نا گواریوں کے ساتھ آتا ہے......جیسے گلاب پھول کے ساتھ کانٹا ضروری ہے، ایسے ہی دین، تو سننے والے...... سنانے والے...... پہنچانے والے...... ہر ایک کے ساتھ نا گواری ضرور آتی ہے، اسی کے ساتھ اللہ ان کو دیتے ہیں، اس لئے ان نا گواریوں پر صبر کرنا ہے...... یہ بھی ثواب کی بات ہے، ان نا گواریوں پر صبر کرنا...... یہ بھی اخلاق کی بات ہے، جو ان نا گواریوں پر صبر کرلے تو پھر ان نا گواریوں کا نتیجہ اللہ اچھا لاتے ہیں، کہ انہوں نے ہماری وجہ سے صبر کیا ہے، ہماری وجہ سے ایذائیں برداشت کی ہیں، اگر ہم صبر کے ساتھ کام کریں گے تو پھر اس کے اچھے نتیجے آئیں گے، حضرت عبداللہ بن عوفؓ فرماتے تھے کہ ہم نے ساری خیر نا گواری کے راستے سے پائی، یہ ان کی پوری زندگی کی رپورٹ ہے، کہا ''وجدنا خير الخير في الكره والشدة'' ہم نے ساری خیر نا گواری سے پائی...... نا گواریاں ہمارے کام آئیں...... اور ہم نے ان کو جھیل لیا برداشت کرلیا، اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہے، اب اللہ تعالیٰ نے یہ عافیت ڈالی، حق سريع السير نہیں ہوتا، بلکہ بطیئ السیر ہوتا ہے، بات کے جمنے میں بات کے مضبوط ہونے میں دیر لگتی ہے......اس لئے اسکی طرف توجہ بھی دیر تک لگانی پڑے گی، اس پر توجہ لگاوے اپنی ذمہ داریاں پوری کرلے اخلاص کے ساتھ اور امانت داری کے ساتھ...... پھر اللہ تعالیٰ کسی اخلاص والے کی کوشش کو برباد نہیں ہونے دے گا، یہ ضابطہ ہے ﴿اِنالَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ یہ بات

اللہ تعالیٰ نے حاکمانہ انداز سے فرمائی...... ہم وہ ہیں کہ کسی احسان کرنے والے کی کوشش کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، اس کا اجر ثواب ہم برباد نہ ہونے دیں گے، ہم اسے پورا پورا بدلہ دیں گے، اس کا اجر بھی لگالیں گے، اور اثر بھی پیدا کریں گے، دونوں چیزوں سے نوازیں گے، اثر بھی پیدا کریں گے اور اجر بھی دیں گے۔

اللہ سے حسن ظن:

جن اخلاص والوں نے اخلاص سے کام کیا ہے، اللہ کو سامنے رکھ کر...... آخرت کو سامنے رکھ کر...... ان کی کوششوں کا اثر بھی ظاہر ہوگا، اور اجر بھی ملے گا، تو اثر اور اجر دونوں ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے پر امید ہو کر اور حسن وظن سے کام کیا جاوے! حدیث شریف میں ہے کہ اللہ سے حسن ظن رکھو! جابر بن عبداللہ فرماتے تھے: حضورؐ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے فرمایا کہ جابر تمہاری موت اس حال میں آوے کہ تمہارا کام اللہ سے اچھا ہو...... اللہ سے گمان اچھا رکھیں! کہ ہم محنت کر رہے ہیں اور یہ محنت برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیتے...... اور اسکے اثر کو بھی زندہ کر دیں گے...... اور اس کے اجر کو بھی زندہ کر دیں گے، حدیث میں صاف آیا ہے: "ابشروا وأملوا مایسر کم" خوشخبریاں لو اور امیدوار رہو پھر ایسے حالات لاوے گا جو تمہیں خوش کر دیں گے، اس میں مایوسی نہیں ہے، مایوسی کی کوئی جگہ نہیں، دیر لگے گی...... تو قربانیاں زیادہ بنے گی، زیادہ محنتیں وجود میں آئیں گی، اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں بندوں کی محنت، اور بندوں کی قربانیاں، بندوں کا نتیجہ بندوں کے ذمہ نہیں کیا ہے...... وہ تو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، تو پھر کیا مطلوب ہوا، ہماری محنت مطلوب ہوئی، بس محنت کر لی قربانی دے دی، اخلاص کے ساتھ، تو پھر ہمارا کام بن گیا، آگے کیا ہے؟ اللہ ہے، اللہ کی مدد ہے اسکے ساتھ، مدد تو بطور نتیجہ کے آوے گی۔

علم استقامت کا متقاضی ہے:

علم کا تقاضہ ہے استقامت...... کہ اپنے آپ کو اس علم کا پابند بنانا...... ذاتی زندگی میں بھی...... اور اجتماعی زندگی میں بھی...... ذاتی زندگی میں بھی سنتیں ہوں، اور اجتماعی زندگی میں بھی...... اور زندگی قربانی والی مشوروں والی، اطاعت والی ہو، اس سے زندگی میں حرکت رہے گی، جب اس زندگی کو حرکت ملے گی تو لوگوں کے دلوں تک بات آجاوے گی، اس لئے حضور ﷺ نے امت کو حرکت دی ہے...... کہ جس کے پاس جو خیر ہے اس خیر کے ساتھ حرکت کرے، کلمہ ہے، تو کلمہ کے ساتھ حرکت کرے، نماز ہے تو نماز کے ساتھ حرکت کرے، علم ہے تو علم کے ساتھ حرکت کرلے، یہ محنت سب لوگ کریں، جیسے چکی کو حرکت دیتے ہیں تو چاروں طرف آٹا گرتا ہے، ایسے ہی حرکت دیں امت کو...... امت کے پاس جو خیر ہے اسے وہ حرکت میں لاویں اپنی ذات سے عمل کر کے دوسروں کی زندگیوں میں لاویں، تو پھر وہ کوشش بڑھ جاوے گی، حرکت کیوجہ سے اور پھیل جائے گی، اور لوگ اسے لیں گے، اور حرکت کریں گے، ہمارے ذمہ استقامت ہے تاکہ جو حقوق ہیں وہ پورے ہوجائیں.

سادگی میں کام کی حفاظت ہے:

میرے دوستو! یہ کام بڑا سادہ ہے، اللہ نے اس کو سادہ رکھا ہے...... نبیوں کے جتنے کام ہیں، اور جتنے طور طریقے ہیں اللہ نے انمیں سادگی رکھی ہے، شور نہیں ہوتا...... نعرے نہیں ہوتے...... سادہ! اس لئے اپنے آپ کو نیچا کرنا پڑتا ہے، سادگی سنت کی طرف لے جاتی ہے، یہ کام سادہ ہے۔ اللہ نے اس پر سادگی کا پردہ ڈالا ہے...... یہ اللہ کی حکمت ہے، کہ اس کو سادگی کے پردے کے نیچے رکھا! تاکہ اس کی حفاظت ہوتی

رہے، اور چلتا رہے، خضرؑ اور موسیٰ نے کشتی پھٹی ہوئی رکھی......اور وہ کیوں کہ اس کی حفاظت اس کے پھٹنے میں ہے، اگر یہ نئی ہوتی تو یہ چلی جائے گی......اگر سادہ رہی تو سواری بھی کریں گے، سادگی میں اللہ نے حفاظت کی، تو اسی سادگی میں ہماری ترقی ہے.

امت کے ساتھ شفقت:

سادگی تو اضع آوے گی انکساری پیدا ہوگی، اخلاص آوے گا...... ہماری صفات کی ترقی ہوگی......اس میں ہماری حفاظت ہے، ہم اخلاص والے بنیں گے، ہمدردی آوے گے، کیونکہ دین کا جز ہے...... کہ اللہ کے ساتھ تو تعلق ہو، اور مخلوق کیساتھ بھی ہمدردی ہو، مایوس نہیں ہونگے بلکہ ایک دفعہ دو دفعہ نہیں دسیوں مرتبہ اپنی بات ان کے سامنے کہیں گے، پھر یہ اکتا جائے گا، مان جائے گا، جب مان جائے گا تو بعد میں ان کو بہت پچھتاوا ہوگا، کہ ہم کو درست سمجھایا جا رہا تھا مگر ہم مانتے نہیں تھے......لوگ صحابہ سے کہتے تھے کہ ہم نے آپ کو ستایا...... کیا اب ہماری معافی ہو جاوے گی، اس طرح نتیجہ اللہ تعالیٰ لاوے گا کہ اخلاص سے کام کرنے والوں کو مخلصین ہی ملیں گے۔

دین کے کسی کام میں مزاحمت نہیں ہے

دین میں مزاحت اور ٹکراؤ نہیں ہے، کہ یہ تبلیغ ہے...... یہ مدرسہ ہے......ان میں کوئی مزاحمت نہیں ہے، اصول یہ ہے: الحق لا یصادم الحق کہ حق حق کا مزاحم نہیں ہوتا، جیسے پانی پانی کا مزاحم نہیں ہوتا، دو طرف سے پانی آ رہا ہو تو دونوں پانی آپس میں مل جائیں گے، اگر حق میں کوئی مزاحمت ہوئی تو نفسانیت ہے، اس لئے مزاحمت ہوئی ہے، یا پھر! کم سمجھی ہے۔

حق، حق کا معاون ہوتا ہے:

اپنے دین کے اصولوں کا ماننا ضروری ہے...... کہ علم کیا ہے؟ اپنے علم کو بھی گہرا بنانا ہے...... اپنے یقین کو بھی گہرا بنانا ہے...... اپنے خوف کو بھی پکا بنانا ہے...... حق کبھی حق کا مزاحم نہیں ہوسکتا، وہ تو ایک دوسرے کا معاون ہے، جیسے نماز کے ارکان ہیں: نماز کے ارکان میں بظاہر تضاد ہے. قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ: یہ چار ارکان انکی ہیئت مختلف ہے، قیام ہوگا، تو رکوع نہیں ہوسکتا، قیام ترک کر کے رکوع ہوگا، اور رکوع ہوگا تو سجدہ نہیں ہوسکتا ہے، رکوع کے ساتھ قعدہ نہیں ہوسکتا، تو ارکان نماز کی ہیئت میں تضاد ہے، تو شارع نے اسکو ترتیب دے دی، پہلے قیام ہوگا، قیام سے فارغ ہوکر رکوع کریں گے، رکوع سے فارغ ہوکر سجدہ کریں گے، پھر قعدہ کریں گے، حدیث میں ہے صلوا کما رأیتمونی أصلی مجھے نماز پڑھتے دیکھا ایسے نماز پڑھنا جیسے میں پڑھتا ہوں...... علماء نے کہا کہ نام تو نماز کا لیا ہے، مراد دین ہے، تسمیہ الکل باسم نام نماز کا لیا ہے...... مراد دین ہے أی تدینوا کما رأیتمونی أتدین، کہ ایسے دین دار بنو جیسے مجھے دین داری کے ساتھ دیکھ رہے ہو...... تمام چیزوں میں جس طرح آپ کرتے ہیں ویسا ہی کریں گے، کیوں کہ دین میں کوئی مزاحمت ہوتی نہیں ہے۔

ہمارے یہاں حق، حق کا معاون ہوتا ہے.

کام کریں گے تو انشاءاللہ ترقی ہوگی۔